شرح

فیصلہ ہفت مسئلہ

منسوب بہ قطب عالم شیخ المشائخ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب

تھانوی مہاجر مکی قدس اللہ سرہ

مع

تتمہ و ضمیمہ جات و متعلقات

از حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی

مفتی جامعہ اشرفیہ - مسلم ٹاؤن - لاہور

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً ومصلیاً ومسلماً

تقریباً ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں ایک رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" حضرت قطب عالم جنید وقت شبلی دوراں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی نور اللہ ضریحہ کی طرف منسوب اور مطبع نظامی کانپور سے طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔ اور کئی بار جگہ جگہ طبع ہوا۔ اب ۱۳۹۰ھ مطابق سن ۱۹۷۰ء میں محکمہ اوقاف لاہور نے خوبصورت طریقہ سے اس کو شائع کیا ہے جس کو انھوں نے کراچی کے کسی مطبوعہ نسخہ سے نقل کیا ہے مگر اس نسخہ میں کئی تغیر ہو گئے ہیں۔

(۱) حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کے الفاظ بعینہٖ نہیں رکھے گئے۔ گویا اس کو آسان اور شستہ عبارت میں ڈھالا گیا ہے۔ لیکن ایک تو حضرت کے بابرکت الفاظ سے محروم کر دیا گیا کہ بزرگوں کے لفظوں کی جو تاثیر ہوتی ہے اس سے سب کورے رہ گئے۔ دوسرے اسمیں کچھ الفاظ چھوڑ بھی دیئے گئے تیسرے بعض جگہ مفہوم بھی بدل بدل گیا ہے۔

(۲) رسالہ کے آخر میں "وصیت" عنوان سے ایک مختصر مضمون تھا جس میں حضرت قدس سرہٗ نے اپنے ایک خلیفہ اعظم کی طرف رجوع کرنے کا سب کو حکم دیا تھا وہ بالکل غائب ہو گیا۔

(۳) اس وصیت کے بعد حضرت مولانا رومی کی مثنوی کے ۱۱ شعر تھے جنمیں فروعی اختلافات کا راز اور اصلاح تھی وہ بھی حذف کر دیئے گئے۔

(۴) ربیع الاول ۱۳۱۶ھ مطابق ستمبر ۱۸۹۸ء میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رح خلیفہ حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کا تحریر فرمایا ہوا ایک ضمیمہ شائع ہو چکا تھا اور وہ اس کے ساتھ طبع کیا جاتا تھا، کیونکہ جیسے کہ خود اس میں بیان ہے اصل

مصنف رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے حضرت حکیم الامت ہی تھے حضرت قطب عالمؒ کے ایما سے تحریر کرکے سنا کر منظور کرالیا تھا اس کو ان صاحبوں نے شائع نہیں کیا حالانکہ

تصنیف را مصنّف نیکو کند بیان

کے موافق اسی کی توضیحات قابلِ قدر تھیں۔ اسی وجہ سے یہ ساتھ شائع ہوا کرتا تھا۔

یہ رسالہ مکۃ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً کے ماحول میں لکھا گیا تھا۔ ان سات مسئلوں میں بعض بعض جگہ لوگوں نے دونوں طرف غلو کر لیا ہے اسی سے جھگڑے ہونے لگے۔ مقصد یہ تھا کہ دونوں طرف کے لوگ غلو سے رُک جائیں اور جیسے مکہ مکرمہ میں غلو سے پاک رکھا جاتا ہے دونوں طرف کے غلو سے ہر جگہ پاک رکھا جائے۔ اور سب امن و سکون کی زندگی سے یادِ الٰہی میں مصروف ہوں۔ یہ سب چیزیں اور ان کی خصوصیات اور قیدیں نہ فرض ہیں نہ واجب نہ سنّت ایسا سمجھنے سے باز رہیں ان کو عقیدہ یا عمل میں واجب قرار دینے سے بچیں اور دوسرے لوگ بھی مغلوب الحال یا خالی الذہن لوگوں پر اعتراض سے رُک جائیں۔ مضمون مختصر مگر غلو کی باتوں پر اشارات سے بھرپور ہے کہیں کہیں صاف بات بھی ہے۔

چونکہ مکہ مکرمہ میں لوگ ایسے غلو نہ کرتے تھے، حضرت قطب عالم قدس اللہ سرہٗ نے اس کی تصدیق فرمادی، پھر بھی اس ماحول کے موافق قیدیں اور اشارات کافی موجود ہیں لیکن پاکستان اور ہندوستان مکہ مکرمہ کی طرح غلو سے خالی نہیں ہر مسئلہ میں غلط عقیدوں کو دخل دے رکھا ہے۔ بے اصل یا غیر واجب باتوں کو عقیدہ میں ورنہ عمل میں واجب قرار دے دے کر دین الٰہی اور تلقین نبوی میں ترمیم کر رکھی ہے۔ اور بعض لوگوں نے تو کفر و شرک تک نوبت پہنچا رکھی ہے۔ ضروری معلوم ہوا کہ کہیں خود غرض لوگ اس ارشاد والا سے ناجائز فائدے نہ حاصل کرنے لگیں اور مضمون کے اشارات سے غافل مسلمانوں کو بے راہ نہ کردیں اس لئے اصل عبارت رسالہ مطبوعہ بلند شہر ۱۸۹۶ء اور کلیاتِ امدادیہ

کے اندر کے رسالہ سے لیکر بعینہٖ قائم رکھ کر اس پر حاشیہ میں مشکل لفظ جملہ فقرے اور عربی فارسی جملوں اور اشعار کو حل کیا جائے اور ان اشارات سے جو پورے رسالہ میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں ہر جگہ پر مسئلوں کی توضیح و تشریح کردی جائے تاکہ کم علم اور سادہ لوح مسلمان کسی عیّار کے چکر میں نہ آسکیں، اور پھر خود حضرت قطب عالم قدس سرہٗ پر غلط عقیدوں اور غلط مسائل کی تہمت نہ لگا سکیں، اور متروک چیزیں وصیّت، مثنوی کے اشعار اور خود حضرتِ اقدس کے قلم مبارک سے بعض مسائل کے متعلق صاف ارشاد ضمیمہ حضرت خلیفۂ اعظم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی و ضمیمہ حضرت حکیم الامۃ مجدّد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی و تتمہ وصیت حضرت قطب عالم و خواب متعلقہ فیصلہ ہفت مسئلہ اور متعلقہ سوال و جواب کو بھی پیش کر دیا جائے۔

حضرت قطب عالم قدس سرہٗ کا نہایت زبردست احسان کل ہندوستان و پاکستان کے بلکہ تمام عالم اسلام کے مسلمانوں پر ہے اور اسی وجہ سے ہر پڑھا لکھا ہوشمند حضرت اقدس سے والہانہ محبّت و عقیدت رکھتا ہے۔ دینی احسان بھی ہے اور دنیوی احسان بھی۔ انگریزوں نے ہندوستان پر تسلّط کرنے کے بعد مسلمانوں کو دین سے ہٹانے کی جو تدبیریں حکومت سے اور مال کے خرچ اور لالچ سے کی تھیں، ایک بے سر و سامان قوم کے پاس اس سے بچاؤ کی کوئی صورت بظاہر نہ تھی۔ یہ حضرت ہی کی بالغ نظری تھی کہ مسلمانوں کے اسلام و دینداری کی حفاظت کے قلعے یعنی دینی تعلیم و تربیت کے مدرسے اور خانقاہیں بنانے کی تجویز کی جس کی تکمیل آپ کے خلفا اور مریدوں نے کر دکھائی۔ دارالعلوم دیوبند جو اس وقت دنیا بھر میں یکتا دینی درسگاہ ہے۔ اور تمام گوشہ ہائے ملک میں دینی مدرسے اور ان کے تحت اسلامی علوم کے خزانے یعنی بڑے بڑے کتب خانے اور تبلیغ اسلام کے لئے تالیفات عربی فارسی اردو بہت کثرت سے نشر و اشاعت کے مرکز قائم کردئے۔ اردو میں بھی اس قدر علم دین ہو گیا کہ فارسی میں بھی نہ تھا۔ سیاحان عالم نے

گرا ہی دی کہ اس قدر دینداری و علم کسی اسلامی مملکت میں بھی نہیں، اور پھر جگہ جگہ خانقاہیں باطنی کمالات کی بھی قائم ہو گئیں۔

جنگ آزادی کا سنگِ بنیاد ۱۸۵۷ء میں آپ نے ہی رکھا۔ اس کا سہرا آپکے اور آپکے متعلقین کے ہی سر ہے۔ آپکے رفقا کی شہادت اور آپ کے ترکِ وطن اور ہجرت کر جانے کا بھی سبب ہوا جنگ آزادی کا علم سب سے پہلے آپ اور آپ کے متعلقین نے بلند کیا ۱۸۵۷ء میں جو بیج بویا گیا تھا، آخر ۱۹۴۷ء میں اس کا پھل پاکستان حاصل ہو گیا اور دنیا بھر میں سب سے بڑی اسلامی حکومت مل گئی، قربانیاں آپ کے ساتھیوں نے ہی دیں، سینکڑوں شہید سینکڑوں بے وطن سینکڑوں خانماں برباد ہو گئے۔ سینکڑوں جیل اور ظلم و ستم کا شکار ہوئے۔ مگر اللہ کے کرم سے اُمید نہ توڑی، گو بعض غداروں نے پاکستان کو آدھا کر دیا۔

عام لوگوں کے لئے اس کی صاف اور کھلی دلیل آج بھی موجود ہے۔ حکومت برطانیہ کے کاغذات شاہد ہیں کہ پورے ملک میں سے اس وقت اسی تھانہ بھون کے باشندوں کے تمام گھر اور تمام زمینیں ضبط کی گئیں اور نیلام کر دی گئیں۔ تمام کاغذات میں آج بھی محال باغیاں اور محال منضبط تمام اُس کی شہادت دے رہے ہیں۔ گو آج پاکستان کے رہنے والے ان حقیقتوں سے نا واقف ہوں۔

رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" سے بعض لوگ غلط فہمیاں پھیلا کر ایسے محسن اعظم کی سوانح کو داغدار بنانے کی ناپاک کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہی انصاف کی درخواست ہے۔ اس لئے اس پر توضیح و تشریح اور متعلقات کو ساتھ لگانے کی ضرورت ہوئی کہ ممکن ہے کوئی تو شریف آدمی ایسا ہو گا، جو ایسے محسن کے احسان کو محسوس کرے گا، اور حق و ناحق میں تمیز کر سکے گا

احقر جمیل احمد تھانوی کو حضرت قطب عالم حاجی صاحب قدس سرہٗ کے مجاز بنچے کا پوتا ــــ اور مجازی کی پوتی کا نواسا ہونے اور بواسطہ باطنی خوشہ چیں اور حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحبؒ کا نسبی داماد ہونے، زیر اصلاح رہنے سے پھر حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہٗ کے حکم سے یہ جرأت ایک فریضہ بن گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں!

جمیل احمد تھانوی

مفتی جامعہ اشرفیہ

مسلم ٹاؤن۔ لاہور،

شوال
۱۳۹۱ھ

فیصلہ ہفت مسئلہ

غسوب بہ حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

نور اللہ مرقدہٗ

مع شرح وضمیمہ جات ومتعلقہ حالات وسوالات وجوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ ۔

امابعد فقیر امداد اللہ الحنفی[1] الچشتی سب مسلمانوں کی خدمت میں خصوصاً جو اس فقیر سے رابطہ[2] وتعلق رکھتے ہیں عرض[3] رسا ہے کہ یہ امر مسلّمات[4] سے ہے کہ باہمی اتفاق[5] باعثِ برکات دنیوی ودینی اور نااتفاقی موجب[6] مضرتِ دنیوی ودینی ہے اور آجکل بعض مسائل فرعیہ[7] میں ایسا اختلاف واقع ہوا ہے جس سے طرح طرح کے شر[8] وفتن پیدا ہورہے ہیں اور خواص[9] کا وقت اور عوام کا دین[10] ضائع ہورہا ہے، حالانکہ اکثر امور میں محض نزاع[11] لفظی

---

[1] علم ظاہر میں امام اعظم ابوحنیفہ کا پیرو اور باطنی علم وعمل میں سلسلہ چشتیہ سے وابستہ :

[2] عقیدت اور مریدی کا۔

[3] گذارش پہنچانے والا۔

[4] یہ بات تو سب کی مانی اور تسلیم کی ہوئی باتوں میں سے ہے۔

[5] دین ودنیا کی برکتوں کا سبب ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (تم آپس میں جھگڑا مت کیا کرو، ورنہ تم کمزور پڑجاؤگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی یعنی ذلیل ہوجاؤگے) اور اس اتفاق واتحاد کا گر بھی بتادیا ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا (تم سب اللہ کے تعلق (دین) کو اکھٹے ہوکر مضبوطی سے سنبھالے رہو) کو ذرا بھی کمی بیشی نہ کرو۔ اگر کبھی بھول چوک ہوجائے تو اس کا علاج بھی فرمادیا ہے۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ (اور اگر تم کسی چیز کے بارہ میں جھگڑ ہی بیٹھو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دیا کرو) جو بات وہاں ہے اسی کو اختیار کرو، اپنی کوئی تجویز بالکل نہ رکھو۔

[6] دین ودنیا کے ضرر کا ذریعہ کہ برکت سلب ہوتی ہے۔ غیبت، حسد، بدگوئی، بدگمانی، مسلمان کو اذیت دینا وغیرہ گناہ اور اُن کی بدولت دشمنیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لڑائیاں چھڑ جاتی ہیں۔

[7] جو عمل سے تعلق رکھتے ہیں عقیدہ سے نہیں یا عقیدہ سے تعلق تو ہو مگر اس کی باریکیاں معلوم کرنا عوام پر فرض نہ ہو، ہاں اگر عام عقائد میں خلل ہو کہ ایمان پہ حملہ ہو وہاں خاموشی درست نہ ہوگی [8] بدیاں اور فتنے

[9] علماء اور بزرگوں کا وقت بجائے دین کے اہم اور مثبت کاموں کے ان میں لگ کر ضائع ہوتا ہے۔

[10] کہ وہ حد سے بڑھ جاتے اور گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور کام دین کا سمجھتے رہتے ہیں تو دین برباد ہوتا ہے اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی یہاں تک کہ بعض دفعہ شرک میں مبتلا ہوکر اسلام سے خارج اور ہمیشہ کو جہنمی بن جاتے ہیں۔

[11] لفظی جھگڑا یعنی لفظ الگ الگ ہیں مقصود دونوں کا ایک ہے کہ کوئی مسلمان یہ نہیں برداشت کرسکتا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں ذرہ برابر بھی کمی یا زیادتی کردے مگر کم علمی یا کم فہمی سے یا غلط سننے دیکھنے سے لفظ ایسے ایسے ہونے لگے جن سے اختلاف معلوم ہونے لگا یا دو مردوں پہ حرف گیری ہونے لگی، ان کی حقیقت سامنے آجائے تو سب سیدھے راستہ پر رہیں اور ایک دوسرے کے دوش بدوش دین کے کام کرتے رہیں؛

ہے اور مقصود متحد، چونکہ عموماً مسلمانوں کی اور خصوصاً اپنے تعلق والوں کی حالت دیکھ کر نہایت صدمہ ہوتا ہے۔ اسی لئے فقیر کے دل میں آیا کہ مسائل مذکورہ کے متعلق مختصر سا مضمون قلمبند کر کے شائع کر دیا جائے۔ اُمید قوی ہے کہ یہ نزاع[1] و جدال رفع ہو جاوے۔ ہر چند کہ اس وقت میں اختلافات اور مختلفین[2] کثرت سے ہیں، مگر فقیر نے انھیں مسائل کو لیا، جن میں اپنی جماعت کے لوگ مختلف تھے۔ دو وجہ سے، اول تو کثرتِ اختلافات اس درجہ پہنچی ہے کہ اس کا احاطہ مشکل ہے۔ دوسرے ہر شخص سے اُمید قبول نہیں، اور اپنی جماعت میں جو اختلافات ہیں اول وہ محدود[3] دوسرے امید قبول غالب۔ پس ایسے مسائل جن میں ان صاحبوں میں زیادہ قیل[4] و قال ہے سات ہیں۔ پانچ[5] عملی دو علمی۔ ترتیب بیان میں اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جن میں سب سے زیادہ گفتگو ہے اس کو مقدم رکھا۔ جس میں اس سے کم ہے اُس کے بعد علیٰ ہذا القیاس[5]، اور اپنا مشرب[6] اور ایسے مسائل میں جو عمل در آمد مناسب ہے نیز لکھدیا گیا، حق تعالیٰ سے اُمید قوی ہے کہ یہ تحریر باعثِ رفع فساد باہمی ہو جاوے[7] اور حضرات بھی اگر اس کو قبول فرما کر منتفع ہوں تو دعا سے یاد فرماویں اور کوئی صاحب اس تحریر کے جواب کی فکر نہ کریں کہ مقصود میرا مناظرہ کرنا نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق[8]۔

[1] جھگڑا اور وہ ہے کہ بات کو خواہ کیسی ہی ہو توڑتا جوڑتا رہا ہے اٹھ جائے اور جو جو غلو اور زیادتیاں ہر ایک نے کر رکھی ہیں وہ ختم ہو کر ایک دوسرے سے دست و گریبان نہ ہوں صحیح راہ پر رہیں اور دین کے کام کریں۔
[2] اختلافات کرنے والے [3] گنے چنے یعنی چند [4] کہا سنی بحث و مباحثہ۔
[5] اسی طرح آگے بھی جسمیں کم گفتگو ہے اُسے بعد میں رکھا گیا ہے [6] طریقہ جو دلائل سے قوی اور غلو سے بچا ہوا ہے مناسب بھی ہے [7] آپس کے جھگڑوں کو دور کرنے کا سبب ہو جائے کہ دونوں کو غلو کرنے سے بچایا ہے اور جھگڑے کا اصل سبب مسائل نہیں ہوتے غلو اور ایک دوسرے پر طعنہ کرنا اور بُرا کہنا ہی سبب ہوتے ہیں ورنہ ساری دنیا میں اور ہر ہر بات میں اختلاف ہوتا رہتا ہے اور جھگڑا انہیں ہوتا بجز طعنہ دینے اور بُرا کہنے کی عادت کے اگر لوگ طعن کرنا بُرا کہنا چھوڑ دیں تو فساد نہ ہو۔
[8] اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں ہم کو ایسے بیان کی اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی۔

پہلا مسئلہ مولد شریف کا

اس میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ نفس ذکر ولادت شریف حضرت فخر آدم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجب[1] خیرات و برکات دنیوی و اُخروی ہے۔ صرف کلام بعض تعینات[2] و تخصیصات[3] و تقییدات[4] میں ہے جن میں بڑا امر قیام[5] ہے۔ بعض علماء ان امور کو منع کرتے ہیں۔ لقولہ[6] علیہ السلام کل بدعة ضلالة، اور اکثر[7] علماء اجازت دیتے ہیں۔ لاطلاق[8] دلائل

[1] دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور برکتوں کا سبب ہے۔ گو نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنّت مؤکدہ مگر اعلیٰ قسم کا مستحب ہے۔ خیر و برکت اور ثواب کا ذریعہ ہے نہ کرنے میں کسی قسم کا گناہ تو نہیں مگر ثواب سے محرومی ہے اور گو تداعی یعنی دعوت دے دے کر بلانا صرف فرض و واجب اور اسلامی شعائر کے لئے ہی درست ہے باقی کیلئے مکروہ ہے اسی لئے نفل نماز کی جماعت اس طرح کی مکروہ اور شب قدر و شب براۃ میں جمع کرنا مکروہ ہے جیسے کہ فقہ حنفی میں ہے مگر تنہا یا بلا دعوت آجانے میں تو برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ اور گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے اختیار کے اقوال و احوال اور صفات و افعال و احکام کا ذکر جو حضور کا حقیقی ذکر ہے۔ وہ بے اختیار کے حالات ولادت حسن و جمال جسمانی ساخت وغیرہ کے ذکر سے جو مجازی طریقہ سے ذکر رسول اور حقیقت میں عطیۂ الٰہی ہیں افضل ہے لیکن اس مجازی ذکر رسول کا بھی اگر حقیقی ذکر رسول سے افضل قرار دے کر نہ ہو حضور سے تعلق ہونے کی وجہ سے ثواب اور اسکی برکات تو حاصل ہونگی، گو حقیقی ذکر سے کم کم ہوں اسلئے خیر و برکت کا سبب ضرور ہے اختلاف اس میں نہیں ہو سکتا
[2] تاریخ دن ماہ ہیئات اور کسی کسی بات کو ہمیشہ کیلئے معین کر لینا کہ اس کے خلاف ہی نہ کریں نہ کرنے دیں۔
[3] خصوصیتیں بنا لینا کہ صرف ولادت کا ہی ذکر ہو یا صرف درجات کا ہی ہو ارشادات و تعلیمات تمۂ دین و صفات عبادات و معاملات سیاست وغیرہ کا ذکر نہ کیا جائے یا کوئی خاص طریقہ بنا لیں جو ہمیشہ کو ضرور ملحوظ رکھا جائے۔
[4] قیدیں لگا لینا کہ فلاں وقت تک بیٹھے رہیں۔ فلاں وقت کھڑے رہیں یا اسطرح اور اُسطرح ہی ہو خلاف نہ ہو اور خلاف کرنیکو بُرا سمجھیں طعنہ و اعتراض کریں حالانکہ جب قرآن و حدیث نے انکا حکم نہیں دیا تو نہ کرنا بھی جائز ہوا اسکو گناہ کہنا حضور کے جائز کئے ہوئے کو گناہ کہنا ہے [5] کہ جس وقت ولادت شریفہ کا ذکر ہو سب کھڑے ہو جائیں جو نہ کھڑا ہو اسکو گستاخ رسول قرار دیں حالانکہ یہ ثابت نہیں ہے [6] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور پوری حدیث یوں ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں ہے مسلم شریف [7] گو تعداد کے ہی اکثر ہوں۔ علم کے اکثر نہ ہوں مگر ہیں تو اکثر
[8] ذکر کی فضیلت کی دلیلوں کے اس سے عام ہونے کی وجہ سے کہ جب قیام کرنے نہ کرنے کا ذکر نہیں تو چاہے قیام کر لیں چاہے نہ کریں دلیلیں اس سے عام ہیں اور گنجائش دیتی ہیں جیسے بیٹھنے لیٹنے چلنے پھرنے میں سب کی گنجائش دیتی ہیں

فضیلۃ الذکر اور انصاف یہ ہے کہ بدعت اسی کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل[1] کر لیا جاوے۔ کما یظہر من التامل فی قولہ علیہ السلام من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد (الحدیث)[2]

پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت[3] مقصودہ نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہ[4] مباح جانتا ہے مگر ان کے اسباب[5] کو عبادت جانتا ہے، اور ہیئات[6] سبب کو مصلحت[7] سمجھتا ہے۔ تو بدعت[8] نہیں۔ مثلاً عمل قیام کو لذاتہا[9] عبادت نہیں اعتقاد کرتا، مگر

---

[1] جس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جو کام دین میں نہ تھا اسکو دین اور ثواب قرار دے لیا دوسرے یہ کہ جس کا دین میں جو درجہ نہ تھا وہ درجہ دین میں داخل کر کے دیدیا کہ جو بات فرض واجب نہ تھی صرف مستحب یا محض جائز تھی۔ اس کو فرض یا واجب بنا لیا، پھر اس کی بھی دو صورتیں ہونگی یا تو عقیدہ میں فرض یا واجب سمجھنے لگے یا اس پر فرض واجب کی طرح عمل کرنے لگے ہمیشہ اور ضروری قرار دیکر کرنے لگے، جس کی علامت یہ ہوگی کہ نہ کرنیوالوں کو ایسا کہتے یا سمجھتے ہوں۔ جیسا فرض یا واجب نہ کرنے والے کو کہا یا سمجھا جاتا ہے۔

[2] جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں غور کر لینے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ "جو شخص ہمارے اس کام (دین) میں کوئی نئی بات پیدا کریگا۔ جو دین سے لی ہوئی نہیں وہ مردود ہے" (بخاری) نئی بات کرنے میں دونوں صورتیں داخل ہیں غیر دین کو دین بنانا اور غیر فرض واجب کو فرض واجب بنا دینا۔ ایسا کرنے والا بھی مردود ہے اور ایسا کام بھی مردود ہے پھر فرض واجب بنانے کی بھی دو صورتیں ہیں عقیدہ میں فرض واجب یعنی ضروری قرار دینا یا صرف عمل میں جس کی تفصیل اوپر گذری یہ سب اس حدیث سے مردود اور پہلی حدیث سے بدعت اور جہنم کا ذریعہ ہوتے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائیں۔

[3] اصل عبادت کہ خود ہی کار ثواب ہو کسی اور عبادت کا ذریعہ بننے کی وجہ سے کار ثواب نہ سمجھا گیا ہو تو اگر یہ چیزیں ایسی نہیں سمجھتا بلکہ ذریعہ سمجھتا ہے۔ [4] ان کی خود ذات کو تو صرف جائز قرار دیتا ہے۔ کہ نہ کرنے میں ثواب اور نہ ترک کرنے میں گناہ یا کراہت کچھ نہیں جانتا دونوں باتیں برابر سمجھتا ہے۔

[5] جن کی وجہ سے یہ کرتا ہے تعظیم رسول وغیرہ صرف اس کو ثواب نہ کہ خدا کی عبادت۔

[6] اس وجہ تعظیم کی ان خصوصیتوں والی صورت کو [7] صرف مناسب یا اچھی صورت نہ ضروری نہ ثواب اور دینی مناسب کر دو سرے فائدہ جانیں۔ [8] کیونکہ غیر ثواب کو ثواب نہیں بنایا اور عرب میں ایسے ہی کیا جاتا ہے۔ کہ ان خاص خاص صورتوں کو نہ ضروری قرار دیتے ہیں نہ ثواب۔ لیکن اگر کہیں کوئی ان کو بھی ضروری و ثواب قرار دیگا تو ضرور بدعت ہوگا

[9] خود اس کی ذات کو ثواب نہیں اعتقاد کرتا بلکہ ثواب کی بات کا ذریعہ سمجھتا ہے یعنی تعظیم کا ذریعہ

تعظیم ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت[1] جانتا ہے اور کسی مصلحت[2] سے اس[3] کی یہ ہیئات معین[4] کر لی، اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر کسی مصلحت[5] سے خاص ذکر ولادت[6] کا وقت مقرر[7] کر لیا، اور مثلاً ذکر مولد کو ہر وقت مستحسن[8] سمجھتا ہے۔ مگر بمصلحت سہولت و دوام[9] یا اور کسی مصلحت[10] سے ۱۲ ربیع الاول مقرر کر لی اور کلام تفصیل مصالح میں از بس طویل ہے۔ ہر محل[11] میں جدا مصلحت ہے۔ رسائل موالید[12]

---

[1] یعنی ثواب نہ کہ خدا کی بندگی۔

[2] صحیح ہو یا غلط مگر اپنے گمان میں مصلحت و مناسب سمجھ کر رواجی تعظیم بنا کر۔

[3] ذکر کی تعظیم کی یہ صورت کہ بے اصل ہو کر تعظیم کے لئے کھڑا ہو۔

[4] عارضی مقرر کی، کہ کبھی کر لی کبھی نہ کی۔

[5] صحیح یا غیر صحیح سے کہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں یا سہولت ہے۔

[6] مگر اس غیر اختیاری بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیاری ارشادات و عبادات، صفات و حالات کے ذکر سے افضل قرار دیکر نہیں ان پر اہمیت دیکر نہیں محض حضور سے تعلق رکھنے کی وجہ سے۔

[7] عارضی مقرر کرنا کہ کبھی کوئی کبھی کوئی تاکہ اور لوگ از خود شریک ہونا چاہیں تو ان کو سہولت ہو کوئی ضروری بنا کر نہیں کہ فرضوں کی مشابہت سے نہیں کہ وہ ڈر سے مناتے ہیں، اور ہمیشہ کے لئے ایک دن تاریخ وقت نہیں کہ ان کی مشابہت ہو یا ضروری بن سکے۔ [8] فرض واجب سنت نہیں مستحب ہر وقت،

[9] کہ مستحب پر دوام یعنی پابندی بغیر ضروری قرار دیئے کہ نہ عقیدہ میں نہ عمل میں ضروری ہو تو حرج نہیں جبتک کہ اس کو ضروری نہ قرار دیا جائے اور الگ الگ وقت میں ہو

[10] دین کی مصلحت ہے کہ بلا دعوت کے از خود شریک ہونیوالوں کو سہولت ہو مگر عقیدہ یا عمل میں ضروری نہ قرار دیں نہ ایسی جگہ کریں جہاں کفار کی مشابہت ہے، یا فرض و واجب عقیدہ یا عمل میں کر کے لوگ کرتے ہوں اگرچہ دل ان سے خالی ہو کر پھر بھی ان کی مشابہت ہے بلکہ کافروں کی مشابہت بھی ہے جنم دن اور برسی جو ان کا شعار ذوقی ہے انکی مشابہت ہے گناہ ہے۔ اور دوسروں کیلئے سند جواز اور واجب کی صورت بن کر گناہ کا سبب ہوگا محض اتفاق سے ہو جبکہ کوئی کوئی الگ الگ تاریخ و وقت مقرر کئے جاتے تھے اس وقت یہ ۱۲ تاریخ کا ہو گیا جو حضور کی وفات کی تاریخ بھی ہے۔ گو وفات کی تاریخ پر ولادت کا ذکر بظاہر نا موزوں ہے۔ [11] کہ کہیں تعطیل کہیں فضا و موسم کی ہمواری کہیں ذوق و شوق کی فراوانی کہیں ترغیب کا موقع کہیں غفلت کا دفعیہ جس وقت جہاں جو بات مصلحت ہو اسکے موافق کیا جائے بدلتے بدلتے میں کبھی یہ تاریخ بھی آجائے تو کیا مضائقہ ہے جب کہ نیت خالی ہے۔

[12] میلادوں کے رسالوں میں

میں بعض مصالح مذکور بھی ہیں۔ اگر تفصیلاً کوئی[1] مطلع نہ ہو تو مصلحت[2] اندیشان پیشین کا اقتدا ہی اس کے نزدیک مصلحت کافی ہے۔ ایسی حالت میں یہ تخصیص[3] مذموم نہیں تخصیصات[4] اشغال و مراقبات و تعینات[5] رسوم مدارس و خانقاہات[6] اسی قبیل سے ہیں۔ اور اگر ان تخصیصات[7] کو قربت

[1] کوئی عامی ناواقف کہ وقت کی ضروریات کو نہ جانتا ہو۔
[2] پہلے کے مصلحت دیکھنے والوں کی پیروی یا اس وقت کے مصلحت پر نظر رکھنے والوں کی پیروی کرے غرض واقف حالات فضا و موسم کو جانتے والوں کی بات مان لے۔ یہی اس کے لئے مصلحت ہے کہ وہ مناسب وقت جگہیں عارضی مقرر کریں گے کہ جسوقت جہاں آرام ہوگا انکی ماننے میں حرج نہیں جیسے کہ سب جلسوں وعظوں کیلئے ہوتا ہے [3] جو ہر وقت الگ الگ راحت و آرام کی ہوگی۔ بری نہیں، راحت وہ ہی ہے۔
[4] تصوف کے خاص شغلوں اور مراقبوں کی خاص ہئیاتیں مدرسوں اور خانقاہوں کی معین کی ہوئی صورتوں یا قانون قاعدہ کو ایسے ہی سمجھو۔
[5] مدرسوں کے رسم و رواج قانون قاعدے اور خانقاہوں کے۔
[6] اسی طرح کے ہیں کہ محض سہولت اور انتظام کی مصلحتوں سے ہیں نہ ان خاص صورتوں کو کوئی شرعاً ضروری سمجھتا ہے۔ کہ اس کے خلاف کرنے کو گناہ کہتا ہو، یا خلاف کرنے والوں پہ لعن طعن ان کی تحقیر و تذلیل کرتا ہو، نہ دوسرے طریقوں کو یا بالکل بھی کوئی طریقہ قائم نہ کرنے کو بُرا قرار دیتا ہے نہ ان کو مجرم سمجھتا ہے نہ ان خاص صورتوں کو ثواب اور دوسری صورتوں کو ثواب سے خالی قرار دیتا ہے اسی طرح جہاں میلاد میں بھی یہ خصوصیتیں اسی قسم کی ہوں جیسے مکۂ مکرمہ وغیرہ میں تو ان کو جب کہ وہاں انکو ضروری سمجھنے والوں سے مشابہت اور سند جواز بننے کے گناہ کا بھی خطرہ نہیں منع نہ کیا جائیگا۔ ہاں اگر ان کو واجب عقیدی یا عملی سمجھنے لگیں یا بذات خود ثواب بنالیں تو بدعت اور شدید گناہ ہوجائیں گے۔ خواہ اشغال و مراقبات ہوں یا مدرسوں خانقاہوں کے قانون قاعدے یا ذکر ولادت ہو یا اس پر قیام ہو یا اور دوسری دن تاریخ ہیئات و کیفیت کی خصوصیات سب بدعت اور حدیث سے مردود ثابت ہیں۔ بلکہ اگر نیت میں فتور نہ ہو، مگر اس مقام پر عقیدہ یا عمل میں فرض واجب قرار دینے والے موجود ہوں، تو گو یہ سب کام بدعت تو نہیں ہوں گے، مگر ان کی مشابہت اور عام لوگوں کے لئے جواز کی سند بننے کا گناہ ہوگا۔ اس لئے ایسے مقام پر منع کرنا واجب ہے۔
[7] اصل عبادت نہ کہ ذریعہ عبادت یعنی خود ثواب کو خدا و رسول نے ان کو ثواب نہیں بنایا ہے تو محض یا تہمت ہوگی یا دین کی ترمیم۔

مقصود جانتا ہے۔ مثل[1] نماز روزہ کے تو بیشک اس وقت یہ امور بدعت ہیں مثلاً یوں اعتقاد کرتا ہے اگر تاریخ معین پر مولد نہ پڑھا گیا یا قیام نہ ہوا یا بخور و شیرینی[2] کا انتظام نہ ہوا تو ثواب ہی نہ ملا تو بیشک یہ اعتقاد مذموم[3] ہے۔ کیونکہ حدود شرعیہ سے تجاوز[4] ہے جیسے عمل مباح[5] کو حرام اور ضلالت سمجھنا بھی مذموم[6] ہے غرض دونوں صورتوں میں تعدی[7] حدود ہے اور اگر ان امور کو ضروری معنے واجب[8] شرعی نہیں سمجھتا بلکہ ضروری معنے موقوف علیہ[9] لبعض البرکات جانتا ہے جیسے بعض اعمال میں تخصیص[10] ہوا کرتی ہے کہ ان کی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر خاص مرتب نہیں ہوتے مثلاً بعض عمل کھڑے ہوکر پڑھے جاتے ہیں، اگر بیٹھ کر پڑھیں وہ اثر خاص نہ ہوگا[11]

[1] جیسے وہ فرض ہیں یا واجب ہیں کہ نہ کرنے والا سخت گناہ گار اور لعن طعن کا مستحق قرار پاتا ہے ان کو نہ کرنے والا بھی گناہ گار اور مستحق لعن طعن کا قرار دیا جائے۔
[2] دھونی لوبان وغیرہ کی اور مٹھائی۔
[3] بُرا گناہ اور بدعت ہے اور یہ فعل بھی گناہ ہے بدعت ہے کہ دین کو ناقص قرار دیکر ترمیم کرتا ہے۔
[4] شریعت کی حدوں سے باہر نکلنا دین میں ترمیم اللہ رسول کے احکام کو ناقص کہنا اور ایک قسم کی بغاوت و توہین ہے
[5] جائز کام کو گناہ و گمراہی سمجھنا جو نہ منع ہو نہ مکروہ ہو نہ لوگ اس کو عقیدہ یا عمل میں واجب بناتے ہوں۔
[6] بُرا اور گناہ ہے۔
[7] شریعت کی حدوں سے زیادتی کرکے نکلنا ہے گناہ عظیم ہے۔
[8] کہ جیسے شریعت کے واجب کے ترک کرنے والے کو گناہ گار اور مستحق لعن طعن قرار دیا جاتا ہے۔ ان سب کے ترک کرنے کو ایسا نہیں سمجھتا بلکہ ترک والوں کو بھی صحیح ہی سمجھتا ہے۔
[9] بعض برکتوں کے اس پر موقوف ہونے کی بنا پر ضروری یعنی فائدہ مند جانتا ہے نہ کہ واجب۔
[10] عملیات میں جو دین کا کام نہیں علاج دوا کی طرح دنیا کا کام ہیں کچھ خاص خاص باتیں ہوا کرتی ہیں۔ وہ نہ ہوں تو تجربہ یہ ہے کہ اثر نہیں ہوتا، بے فائدہ ہوجاتا ہے۔ مگر ثواب کی نہیں
[11] فائدہ نہ ہوگا، کوئی گناہ کی بات نہیں، نہ اس کے موافق کرنا کوئی ثواب کی بات۔ صرف دنیوی فائدہ ہونے کی یا نہ ہونے کی بات ہے گویا دنیا کے فائدہ کے لئے ضروری سمجھا ہوا ہے۔ دنیوی فائدوں کا ہونا نہ ہونا زیادہ تر تجربات سے معلوم ہوتا ہے۔ خاص ان کے لئے وحی نازل نہیں ہوتی اور دینی و اخروی فائدے ثمرات صرف خدا و رسول کے ہی ارشادات سے معلوم ہوسکتے ہیں، وہ تجرباتی نہیں ہوتے نہ کشفی۔

اس اعتبار سے اس قیام[1] کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور دلیل[2] اس توقف کی موجدانِ اعمال کا تجربہ[3] یا کشف والہام ہے۔ اسی[4] طرح کوئی شخص عمل مولد کو ہیئات[5] کذائیہ موجب بعض برکات یا آثار کا اپنے تجربہ سے یا کسی صاحب بصیرت کے وثوق[6] پر سمجھے اور اس[7] معنے کہ قیام کو ضروری سمجھے کہ یہ اثر خاص بدونِ قیام نہ ہوگا۔ اس کے بدعت کہنے کی

---

[1] تو کسی دنیوی فائدہ کے تجربے کی بنا پر یہ فائدہ لینے کے لئے ضروری سمجھا خواہ یہ غلط ہو یا صحیح اس کا دین اور ثواب ہونے سے کوئی تعلق نہیں اس لئے بدعت نہیں کہلا سکتا۔ ہاں شرعی واجب یا ثواب سمجھتا تو بدعت ہونا ضروری تھا۔

[2] فائدہ کے اس خاص حالت پر موقوف ہونے کی دلیل ان عملیات کو ایجاد کرنے والوں کا تجربہ یا کشف والہام ہے جو ان کے حق میں تو قابلِ قبول ہوگا، دوسروں کے لئے دلیل نہ بنے گا چاہے کریں چاہے نہ کریں۔ یا خود تجربہ کر کے دیکھیں اور اکثر تو عملیات والے عمل کو رغبت دل میں جمانے کیلئے ایسی باتیں کراتے ہیں

[3] اور عملیات کا ہر شخص بھی تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے کہ اسی طرح کرنے سے فائدہ ہوتا ہے اور خلاف کرنے سے نہیں ہوتا، اور کشف ہر ایک کو ہوتا نہیں جن کو ہوتا ہے ہر وقت نہیں ہوتا اور دوسروں پر دلیل نہیں بنتا مگر ان صاحب کشف کو گنجائش دیتا ہے اور تجربہ یا کشف سے فائدہ دنیا کا ہی معلوم ہوگا کیونکہ ثواب ہونا نہ ہونا تو قرآن وحدیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ پھر یہ فائدہ کیف ولذت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور کشف والہام کا بھی جب احتمال ہوگا اگر وہ متقی پرہیزگار ہو نفلی صوفی، دھوکہ باز نہ ہو اگر کشف کا اہل نہ ہو تو یہ جھوٹ اور دھوکہ ہوگا۔

[4] جیسے یہ دنیوی فائدہ ایک خاص ہیئات سے ہونے کا تجربہ ان عملیات کے ایجاد کرنے والوں نے صرف تجربہ یا کشف سے بنایا ہے ایسے ہی اگر کوئی مولود کو رواجی طریقہ پر کرنے کے تجربہ یا اس کے خیال کے موافق کشف سے اس طریقہ کو کسی کسی اثر یا برکت یا کیف و لذت کا سبب سمجھ لے یا کسی ایسے تجربہ کار پر بھروسہ کر کے سمجھ لے۔ اور اس تجرباتی فائدہ کے لئے مفید یا ضروری سمجھ لے تو بدعت نہیں کہ نہ ثواب قرار دیا نہ واجب گو دین کے کام کو دنیا کے لئے بنانا اچھا نہ ہو مگر بدعت تو نہ ہوگا افضل بیشک یہی ہوگا کہ جو ثواب کا کام ہو وہ کرے

[5] ایسی ہیئات سے رواجی طریقے سے۔

[6] دل کی جلیانی رکھنے والے کے بھروسہ پر۔ کیونکہ کشف ہر ایک کو ہوتا ہے نہ صاحب کشف کو بھی ہر وقت ہونا ضروری ہے، نہ وہ دوسروں کے لئے حجت نہ ایک کا دوسرے کے موافق کسی کا کچھ کسی کا کچھ نہ دن تاریخ کا ایک نہ ہیئات ایک خصوصیات ایک جیسی [7] صرف اس فائدہ کی وجہ سے مناسب نہ کہ شرعی ضروری و واجب یا ثواب یعنی محض فائدہ مند سمجھے کہ لذت وکیف اس سے ہوگا نہ کہ ثواب کہ وہ تو ہر حال میں ہے۔

کوئی وجہ[1] نہیں اور اعتقاد ایک امر باطن ہے۔ اس کا حال بدون دریافت کئے ہوئے یقیناً[2] معلوم نہیں ہو سکتا، محض قرائن تخمینہ سے کسی پر بدگمانی[3] کرنا اچھا نہیں۔ مثلاً بعض لوگ تارکین قیام پر ملامت کرتے ہیں تو ہر چند کہ یہ ملامت بے جا ہے کیونکہ قیام شرعاً واجب[4] نہیں، پھر ملامت کیوں، بلکہ اس ملامت سے شبہ[5] اصرار کا ہوتا ہے جس کی نسبت فقہا نے فرمایا ہے کہ اصرار[6] سے مستحب بھی معصیت[7] ہوتا ہے مگر ہر ملامت سے یہ قیاس کر لینا کہ یہ شخص معتقد وجوب قیام کا ہے درست[8] نہیں کیونکہ ملامت

---

[1] کیونکہ بدعت تو غیر دین کو دین غیر ثواب کو ثواب یا غیر واجب کو واجب بنانا ہوتا ہے یہاں یہ ایک دنیوی تجربہ ہے نہ کار ثواب نہ شرعی واجب پھر بدعت کیوں ہوگا ہاں اگر اس کو ثواب یا واجب عقیدہ میں یا عمل میں قرار دے تو بدعت ہوگا یا جہاں ایسے کرنے والے ہوں تو ان کی مشابہت اور سند جواز بننے کا گناہ ہوگا۔ وہ الگ صورت ہے، غرض ہر صورت کو بدعت کہہ دینا ٹھیک نہ ہوگا۔

[2] دلائل سے گمان غالب کا درجہ ہی تو ہو سکتا ہے مکمل یقین دریافت سے ہی ہو سکتا ہے کسی کا ہمیشہ کرنا اس کو واجب سمجھنے کی دلیل نہیں ہوتی، بلکہ اس کے ترک کرنے والوں پر سختی سے دار وگیر ان کو فاسق وگمراہ قرار دینا لعن طعن کرنا یہ دلیل واجب اعتقاد کرنے کی ہو سکتی ہے۔ ورنہ کم سے کم اس کو عمل میں واجب کر لینے کی تو یقیناً ہو جائیگی اس وقت حرام بنے گی۔ اس وقت تو نہیں۔

[3] جب تک ان کی زبان سے یا عمل سے وجوب عقیدہ یا عمل میں نہ معلوم ہو جائے نیک گمان رکھنا چاہئے اگرچہ وہ حقیقی ہو

[4] ثابت بھی نہیں بلکہ حضور نے تو ذات پاک کے لئے بھی کھڑے ہونے کو ناپسند کیا ہے جو حدیثوں میں ہے۔ اب قیام نہ کرنے کو گناہ کہنا حضور کی پسند کو گناہ کہنا ہے اور قیام کو اچھا کہنا حضور کے ناپسند کو پسند کہنا ہے جو تہمت

[5] ضروری و واجب قرار دینے کا ہوتا ہے اور یہی غیر واجب کو واجب بنانا، اور بدعت وحرام ہوگا دین میں ترمیم یا خدا ورسول پر تہمت یا اصلاح دینا جو کہ سخت ترین گناہ بننے کا ذریعہ ہے اسلئے سب کو اس سے بچنا لازم ہے

[6] ضروری کر کے کرنا کرانا واجب عقیدہ یا عمل میں بنا کر کرنا اس کے بغیر معصیت نہیں۔

[7] بدعت اور فسق وفجور شراب جوئے سے بڑھ کر گناہ ہوتا ہے کہ خدا ورسول پر تہمت دین میں ترمیم یا اصلاح سے ان کی توہین ہے۔

[8] کیونکہ بگی بات پر بھی سختی پر سخت ہونی ضروری ہے۔ الفاظ لہجہ برتاؤ میں سختی ہے تو واجب کے ترک سمجھنے کی دلیل ہے۔ نرمی سے ہے تو یہ مستحب یا دنیوی فائدہ کے ترک پر ہونے کی دلیل سمجھے لہذا نرم لفظ ولہجہ و برتاؤ کی ملامت کو ترک واجب کی ملامت اور اس کام کو واجب سمجھنے کی دلیل بنانا درست نہیں جب تک سخت ملامت نہ ہو

کی بہت سی وجہیں ہوتی ہیں۔ کبھی اعتقادِ وجوب ہوتا ہے کبھی محض رسم وعادت خواہ عادت دنیوی ہو یا مبنی[1] کسی سبب دینی پر ہو، کبھی وجہ ملامت یہ ہوتی ہے کہ وہ فعل اس لائم[2] کے زعم میں ۔۔۔۔۔۔ خواہ زعم صحیح ہو یا فاسد کسی قوم بدعقیدہ کا شعار[3] ٹھہر گیا۔ اس فعل سے وہ شخص استدلال[4] کرتا ہے کہ یہ بھی انھی لوگوں میں ہے اس لئے ملامت کرتا ہے[5] مثلاً کوئی بزرگ مجلس میں تشریف لاویں اور سب لوگ تعظیم کو کھڑے[6] ہوجاویں۔ ایک شخص بیٹھا رہے تو اس پر ملامت اس وجہ سے کوئی

---

[1] یا رسم عادت ہو، مگر کسی دینی سبب پر اس کی بنیاد ہو، مگر دونوں کی ملامت میں فرق ہوگا۔ مثلاً وتروں کے چھوڑنے والے کو سخت لفظوں سے کہا جائیگا کہ کیا بُرا کرتے ہو، یہ ضروری کام کیوں نہیں کرتے نہ کرنے سے گناہ ہوتا۔ فاسق بن جاتا ہے اور ایسا ویسا ہے یہ دلیل اس کے عقیدہ یا عمل میں واجب قرار دینے کی ہوگی۔ اور جو وضو نماز کے مستحبات یا نفل ترک کرے تو سخت و کرخت لہجہ میں نہیں نرم اور ترغیب کے لہجہ میں بلکہ ملامت ترک کرنے پر ہوگی تو نرم و ترغیب کی صورت میں ہوگی۔ یہ دلیل اس کو واجب نہ سمجھنے کی ہوگی۔

[2] ملامت کرنے والے کے گمان میں چاہے گمان صحیح ہو یا غلط

[3] خصوصیت و علامت کہ اس کے سوا اور کوئی ایسا نہ کرتا ہو۔

[4] دلیل لیتا ہو خواہ غلط یا صحیح۔ مگر اس کی ملامت یہ ہوگی کہ یہ معلوم ہونے پر کہ یہ کسی قوم کی علامت نہیں۔ ہر گہری نظر والے کا کام ہے۔ یا یہ معلوم ہونے پر کہ یہ ان میں سے نہیں ہم نے غلط سمجھا ہے تو ندامت و معذرت ہوکر معافی طلب کی جائے گی۔ یہ بات نہ ہوگی تو محض تاویل بنے گی۔ غرض جبتک حقیقت نہ کھلے گی احتمال رہے گا۔ اس لئے فوراً بدعت کا حکم نہ لگانا چاہئے۔

[5] گو اس کا یہ قیاس بے احتیاطی کا ہے اور یہ قیاس ہی سب و شتم اور فتنہ و فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ مگر ملامت کا سبب ایک غلط فہمی تو ہوئی ترک واجب تو نہ ہوا۔ اس لئے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکے گا جب حقیقت سامنے آجائے گی۔ پھر ندامت و معذرت نہ ہوئی تب یہ دلیل اس کی بن سکتی ہے کہ یہ غلط فہمی پر ملامت نہ تھی۔ اصل بات غیر واجب کو واجب قرار دیکر ہی تھی پھر یہ ملامت واجب سمجھنے کی دلیل ہو کہ بدعت و گمراہی ہوسکتی ہے ابھی نہیں اسلئے جلدی سے کوئی رائے نہ قائم کرنی چاہئے

[6] گو یہ کھڑا ہونا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب بلکہ حضور کا ناپسندیدہ ہے۔ فرمایا ہے کہ "تم عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہوا کرو" جب ذات مبارک کے لئے منع فرمایا تو ذکر کے لئے اعلیٰ درجہ میں منع ہوا۔ اب حضور کے منع کئے ہوئے کو واجب یا بہتر اور منع کرنیکو بُرا قرار دینا حضور کی بے توقیری ہوگی،

نہیں کرتا کہ تو نے واجب شرعی ترک کیا، بلکہ اس وجہ سے کہ وضع مجلس کی مخالفت[1] کی۔ یا مثلاً ہندوستان میں عموماً عادت ہے کہ تراویح میں جو قرآن مجید ختم کرتے ہیں شیرینی[2] تقسیم کرتے ہیں، اگر کوئی شیرینی تقسیم نہ کرے تو ملامت[3] کریں گے مگر صرف اس وجہ سے کہ ایک رسم[4] صالح کو ترک کیا۔ یا مثلاً بحق کہنا کسی زمانہ میں مخصوص معتزلہ[5]

---

[1] ایک رسم پڑی ہوئی کی مخالفت کی۔ اور کم علمی کی وجہ سے یہ نہ سمجھ سکا کہ اس کی مخالفت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ بات ہے۔ اس غلط فہمی و لاعلمی سے ہلکی سی ملامت کر گزرتا ہے تو وہ دلیل اس کو واجب سمجھنے کی نہیں ہوگی۔ اگر علم ہوتا تو ہرگز ملامت نہ کرتا تو بدعت اور چیز ہے اور لاعلمی اور چیز علم ہونے پر خود اپنی ملامت پر ملامت کرنے لگے گا۔

[2] یہ مٹھائی تقسیم کرنا دو طرح ہے، ایک تو یہ کہ سنانے والا اس خوشی میں کہ اللہ تعالے نے اس کو توفیق بخشی ہے کہ قرآن مجید پورا سنا دیا ہے۔ بجائے بہتر صورت غربا پر صدقہ وخیرات کرنے کے اس نے شیرینی تقسیم کردی اس کو ضروری نہیں قرار دیا کہ جس طرح ہو ضرور ہی تقسیم کیا کرے۔ اور پھر شیرینی ہی تقسیم کیا کرنے، اور دوسرے ختم کرنے والوں تقسیم نہ کرنے والوں یا شیرینی تقسیم نہ کرنے والوں پر لعن طعن بھی نہیں کرتا تو بجائے بہتر صورت صدقہ وخیرات یہ کام کچھ تو اچھی بات ہوئی، ایسا نہ کرنے پر کوئی ملامت کرے تو وہ ترک واجب پر نہیں ترک مستحسن رسم صالح پر ملامت کرتا ہے یہ دلیل اس کے واجب سمجھنے کی نہ ہوگی اور علامت اس کی سختی سے ملامت نہ کرنا بھی ظاہر ہے۔ تو دوسری صورت چندہ کرکے جبر سے اور نابالغوں سے چندہ ناجائز لے کر تقسیم کی ہے تو یہ گناہ ہے۔ اس پر ملامت مسئلہ سے ناواقفی پر ہوگی۔ اور مسجد میں چونکہ دونوں صورتوں میں تقسیم کرنا، مسجد کی بے حرمتی کا سبب بن جاتا ہے۔ باہر تقسیم کیا کرتے ہوں گے۔ اب تقسیم نہ کرنے پر ملامت لاعلمی کی وجہ سے ہوگی۔ واجب کے ترک پر نہیں کہ بدعت کہلا سکے اس لئے احتیاط کی جائے، فوراً بدعت نہ کہا جائے۔ ہاں منع کیا جائے۔

[3] حافظ کے تقسیم نہ کرنے پر مگر معمولی ہلکی سی نہ کہ چندہ والی پر اور مسجد والی پر، ورنہ وہ ملامت خود ملامت کے قابل ہے۔

[4] اچھی بات کہ حافظ کا شکریہ ادا کرنا صدقہ وخیرات سے بہتر ہوتا تھا۔ وہ نہ ہوا تو یہی سہی کہ شکر نعمت تو ہے جب کہ تقسیم اور پھر شیرینی ضروری نہیں قرار دی تھی۔ مسجد کی بے حرمتی نہیں کی۔

[5] ایک گمراہ فرقہ عقل پرست تھا۔ کہ جو بات دین کی اس کی عقل میں نہ آتی تھی اس کو نہ مانتا تھا جیسے آج کل بھی کچھ لوگ ایسے نئے نئے ہو رہے ہیں۔

کے ساتھ تھا کوئی نا واقف کسی شخص کو یہ حق کہتا ہوا سُن کر اس خیال سے ملامت کرتا کہ یہ شخص بھی اُنہی[1] قسم کا ہے اور اُس سے اُس کے دوسرے عقائد پر[2] استدلال کرکے مخالفت کرتا۔ بہرحال صرف[3] ملامت کو دلیل اعتقاد وجوب ٹھہرانا مشکل ہے اور فرضاً[4] کسی عامی کا یہی عقیدہ ہو کہ قیام فرض و واجب ہے تو اس سے صرف اس کے حق میں بدعت ہو جائے گا۔ جن لوگوں کا یہ اعتقاد نہیں ان کے حق میں مباح[5] و مستحسن رہے گا۔ مثلاً متشددین[6] رجعت قہقری[7] کو ضروری سمجھتے ہیں تو

---

[1] معتزلہ فرقہ کا ہے۔ اس وہمی دلیل پر ہی اسے یہ کہہ دیا جائے۔ گو وہ بالکل خدا پرست ہی ہو تو غلطی سے ایسا گمان کر لیا گیا۔ غلطی معلوم ہونے پر معذرت اس کی علامت ہوگی۔

[2] دلیل لینا۔ گو سب غلط نہیں ہوا ئی قلعہ ہوتا ہے۔ مخالفت غلط در غلط ہوتی ہے مگر ایک غلط فہمی ہوتی ہے جو حقیقت کھلنے پر شرمندگی و معذرت معافی چاہنے پر ختم ہوگی۔ مگر ملامت کی ایک غلط وجہ تو بن سکتی ہے جو ترک واجب کی نہ تھی۔ غلط نہی نہ ہو تو بے شک ترک واجب کی علامت ہے اور غلطی کھل جانے پر معذرت ہونا اسکی علامت ہوگی۔

[3] خواہ کیسی ہی ہو، سخت و کرخت ترک واجب والی یا نرم ترغیبی ترک مستحب یا ترک عادت والی نام کی ملامت۔ لہذا واجب تک لہجہ و الفاظ میں شدت نہ ہو اسکے نہ کرنیکو گناہ نہ کرنیوالوں کو گنا ہگار۔

ملامت اور فعل کے واجب قرار دینے کی دلیل نہ ہوگی۔ مکہ مکرمہ اور اس کے قرب وجوار میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ کہ وہ نہ سخت و کرخت ملامت کرتے ہیں، نہ ترک کرنے والوں کو گناہگار قرار دیتے ہیں۔ اور جہاں سخت ملامت اور ترک کو گناہ لوگوں کو گنہگار قرار دیتے ہیں۔ وہاں یہ علامت اس کو عقیدہ میں ورنہ کم سے کم عمل میں واجب قرار دینے کی دلیل ہوگی۔ اور وہ کام بدعت گمراہی اور گناہ عظیم بن جائے گا۔ پھر ترک کرنا واجب ہوگا۔

[4] فرض کیجئے ذرا دیر کو مان لیجئے۔

[5] اصل میں جائز اور اچھا ہی رہے گا۔ ہاں اگر وہاں لوگ واجب سمجھ کر کرنے والے بھی ہوں گے تو ان کی مشابہت اور ان کے کرنے سے جائز ہونے کی سند جواز مل سکنے کا گناہ ضرور ہوگا مگر بدعت نہیں کہلائے گا جب کہ نیت بالکل صاف ہوگی۔ ان کو بدعت کہنا ٹھیک نہیں۔ گناہ کہنا ٹھیک ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم (ابوداؤد) جو کسی سے مشابہت کرے گا انہی میں سے ہوگا۔

[6] سختی کرنے والے۔

[7] حج کے طواف زیارت کے بعد پچھلے پاؤں لوٹنے اور کعبہ شریف کی طرف سے منہ نہ موڑنے کو۔

کیا یہ رجعت سب کے حق میں بدعت[1] ہو جائے گی۔ اور بعض اہل علم صرف[2] جاہلوں کی بعض زیادتیاں دیکھ کر جیسے موضوع روایات پڑھنا گانا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ مجالس[3] جہلا میں واقع ہوتا ہے۔ عموماً سب مولود[4] پر ایک حکم لگا دیتے ہیں۔ یہ بھی انصاف[5] کے خلاف ہے مثلاً بعض واعظین موضوع روایات بیان کرتے ہیں یا ان کے وعظ میں بوجہ اختلاط مردوں عورتوں کے کوئی فتنہ ہو جاتا ہے، تو کیا تمام مجالس وعظ[6] ممنوع ہو جاویں گی۔

---

[1] ان کے حق میں بھی ضروری و واجب نہیں سمجھتے۔ بدعت تو غیر ثواب کو ثواب یا غیر واجب کو واجب بنانے کو کہتے ہیں جب وہ ایسا نہیں کرتے تو بدعت نہیں ہو سکتی۔ ہاں جہاں ایسا ہوتا ہو وہاں یہ گناہ مشابہت وسند جواز ہونے کی وجہ سے گناہ ضرور ہوگا بدعت پھر بھی نہ ہوگا مسجد بلکہ کعبہ شریف سے بڑھانے کا گناہ ہوگا۔

[2] گو نام کے عالم کہلاتے ہوں مگر ایسے گناہ کے کام کریں گے تو جاہل ہی ہیں صحیح اہل علم ان جاہلوں کو دیکھ کر

[3] عالم نام کے جاہلوں کی میلاد کی مجلسوں میں ہوتا ہے۔

[4] میلادوں پر۔

[5] انصاف یہ ہے کہ جب وہ موضوع (بے اصل) روایتوں اور گانے بجانے پر مشتمل نہیں تو گناہ میں ان کو ان کی برابر نہ کیا جائے۔ انہوں نے تو حرام کام کر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو حرام سے آلودہ کرکے ایسے توہین کی ہے جیسے کوئی نجاست سے آلودہ کر ڈالنے سے توہین کرتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رح کی کتاب فقہ اکبر کی شرح میں حضور کے ذکر کو باجوں سے آلودہ کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔ یہ ایسا نہیں کر رہے ہیں۔ ہاں تداعی کی کراہت اور زمانہ و ہیئات اور غیر اختیاری حالات کو اختیاری سے افضل اگر واجب بنا کر کریں گے تو بدعت اور بلا اس کے کریں گے تو جہاں ایسا کرکے کرنے کا رواج ہے وہاں مشابہت اور سند جواز بننے کا گناہ ہوگا جہاں ایسا کرنیوالے نہیں اور ان کی نیت ہر بات سے خالی ہے بلا التزام گاہ گاہ بلا تداعی کرتے ہیں یہ مجرم ہونگے

[6] ظاہر ہے کہ صرف وہی ممنوع ہوں گی نہ کہ سب تو یہاں بھی جو حرام بدعت مکروہات سے پاک گاہ گاہ الگ الگ اوقات میں بلا تداعی ہوں منع نہ ہوں گی۔ گو عوام کے ان قیدوں کی رعایت نہ رکھنے سے گناہ کی شکل ہوگی تو شرعی نظام کے لئے منع کرنا لازم ہوگا۔ کہ یہ عمل خود نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت صرف مستحب ہے اور وعظ فرض کفایہ ہے آیت ولتکن منکم امۃ یدعون .... اللہ کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو کہ خیر کی دعوت امر بالمعروف نہی عن المنکر کرے۔ لہذا اس کی اصل چیز کو بند نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قاعدہ فقہ احناف کا مسلمہ ہے کہ کام ضروری ہو تو باقی رکھ کر اصلاح کی جائے۔ ضروری نہ ہو تو شرعی نظام کے لئے خرابیوں کی بنا پر بند کیا جائے۔ نفلوں کی جماعت شب قدر شب برات کے اجتماعات کو فقہ حنفی میں اسی قاعدہ سے بند کیا ہے۔ لہذا وعظ جاری اور میلاد بند جبکہ خرابیوں سے خالی نہ ہو۔

ع بہر کیکے تو گلیمے را سوز ![۱]

رہا یہ اعتقاد کہ مجلس مولد میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس اعتقاد[۲] کو شرک وکفر کہنا حد سے بڑھنا ہے۔ کیونکہ یہ امر ممکن ہے عقلاً[۳] و نقلاً بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع[۴] بھی ہوا ہے۔ رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ

---

۱ ایک پسّو کی وجہ سے تم ایک پورے کمبل کو مت جلا دو۔ اس سے بھی وہ قسم کا قاعدہ نکلتا ہے کہ کمبل ضروری چیز ہے مت جلاؤ پسو کو دور کرو اور اگر کمبل ردّی ناقابلِ استعمال ہے اور پسّو بہت یا کچھ ہوں تو جلا ڈالو۔ لہٰذا اگر کام فرض واجب سنّت ہو تو باقی رکھ کر خرابی دور کرو ورنہ اس کام کو بھی اس وقت تک کے لئے منع کر دو جب تک ان بدعتوں اور گناہوں سے سب جگہ پاک نہ ہو جائے۔

۲ اعتقاد دل میں کسی بات کو یقینی کرکے جمانا ہوتا ہے اور یقینی بات صرف صاف آیت یا صاف حدیث متواتر سے ثابت ہو سکتی ہے یہ چونکہ بالکل ہی ثابت نہیں تو اس کو غلط عقیدہ تو کہہ سکتے ہیں مگر کفر یا شرک نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ کفر تو اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات اور ان کے قطعی ویقینی حکم احکام کا انکار کرنا ہے اور شرک انکی صفت کو غیر میں ثابت کرنا ہے۔ جو کفر بھی ہے کہ یقینی کا انکار ہے۔ اور یہاں دونوں میں سے کوئی بات نہیں تو یہ کہنا حد سے بڑھنا ہے بے ثبوت ویلے دلیل تو کہا جا سکتا ہے کفر و شرک نہیں ہے۔ ہاں اگر کہیں وگ یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ حضور خود بخود بلا حق تعالیٰ کے ایسا کئے آتے ہیں۔ یا حق تعالےٰ کی طرح ہر جگہ موجود یعنی ہر ہر چیز ان کے علم میں ہے تو یہ البتہ کھلا شرک وکفر ہوگا۔ اس سے بچنا سب پر فرض ہوگا اور مسلمانوں میں ایسا ہونا ہی بعید ہے۔

۳ عقلاً اس لئے کہ اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا۔ نقلاً اس لئے کہ منع نہیں آیا اور شب معراج میں دوسرے انبیاء کا بیت المقدس میں پہنچنا آیا ہے۔

۴ گو کسی بات کے ممکن ہونے سے اس کا واقع ہونا ضروری نہیں چاند سورج کا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرجانا ممکن تو ہے مگر آج تک بھی نہیں گرے اب واقع ہونا کسی معتبر دلیل سے ثابت ہوگا تو صحیح ماننا ضروری ہے ثابت نہ ہو تو صرف ایک غلط خیال ہوتا ہے جس کا چھوڑنا واجب ہوتا ہے۔ اس کے لئے دلیل یہ ہے کہ بعض بزرگوں نے کشف میں بعض جگہ تشریف لانا دیکھا ہے تو ایسے بزرگ کے حق میں تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔ گو کشف کوئی شرعی دلیل نہیں نہ اس سے کوئی حکم شرعی ثابت ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ عقیدہ کا حکم جو قطعی یقینی آیت یا حدیث متواتر سے ہی ثابت ہو سکتا ہے۔ اور پھر دوسروں کے واسطے تو کشف بالکل ہی دلیل نہیں ہوتا۔ صرف ان صاحب کشف کے حق میں عقیدہ نہ سہی مگر یہ بات بالکل غلط نہیں ہو سکتی۔ دوسروں کے حق میں غلط عقیدہ ہو سکتا ہے مگر کفر و شرک نہیں ہوگا۔ اور کشف سے حجابات اُٹھنے کا رونق افروز ہونا مجاز سے کہتا ہے۔ حقیقت کا آنا نہیں

کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے۔ یہ ضعیف شبہ ہے آپ کے علم وروحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ وکشفیہ سے[۱] ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات[۲] ہے علاوہ اسکے اللہ کی قدرت تو بے شبہ محلِ کلام نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیانی حجاب[۳]

---

۱ حضور پر وحی والہام نماز کسوف میں جنت ودوزخ کا انکشاف اور حضور کا مرتبہ سب سے زیادہ ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہیں اور کشف سے بھی بہت بزرگوں کو منکشف ہوئے ہیں۔ گو کشف کا درجہ ان کے قریب کا بھی نہیں، نہ ہر ایک کو ہوتا ہے۔

۲ اس لئے ایسا ہونا ممکن ہے اگر کسی معتبر دلیل سے ثابت ہوتا یا اب کشف سے صرف کسی اہل کشف کے لئے ظاہر ہو تو اس کے لئے صحیح ہو سکتا ہے گو کسی معتبر دلیل سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور ممکن ہونے سے واقع ہونا ضروری نہیں، اسلئے ثبوت دلیل سے تو نہ ہوگا۔ اہل کشف کے لئے کشف سے ممکن ہے۔ مگر نہ تو اہل کشف کو ہر وقت کشف ہونا ضروری نہ ہر موقع پر اس کا کشف ہونا ضروری نہ سب کا اہل کشف ہونا ثابت نہ کشف دوسروں کے لئے دلیل تو دوسروں کے لئے تو یہ بے اصل اور اعتقاد باطل ہوگا صرف اہل کشف کے لئے بطور عقیدہ نہیں بطور ایک واقعہ کے جہاں کشف ہو جائے صحیح ہو سکتا ہے۔ عقیدہ کہنا درست نہ ہوگا۔ مگر عقیدہ بھی بنا لیں تو غلط تو ہوگا۔ کفر وشرک نہ ہوگا، گناہ ہوگا۔

۳ گفتگو کی جگہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ کو تو قدرت ہے کہ وہ ہر جگہ پہنچا دیں۔ اس کا کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہ یہ واقع میں ہو بھی رہا ہے۔ کہ ایک وقت پر بہت بہت جگہ پہنچایا ہو۔ اس کی دلیل کسی اہل کشف کا کشف ہی، اور صرف ان کی ذات کے لئے ہو سکتا ہے وہ بھی صرف اس جگہ کے لئے جس کا کشف ہوا ہوگا۔ یہ معلوم ہوگا۔ پہنچنا کبھی جسم وروح کے ساتھ ہو سکتا ہے کبھی صرف روح مبارک کا، مگر دونوں ایک وجود سے ہیں۔ ایک وقت ایک وجود چند ظرف میں ناممکن ہے۔ اسلئے پہنچنا مجازی معنی سے حجابات کا درمیان سے اُٹھنا ہے جو آگے ہے۔ ورنہ قدرت تو حق تعالےٰ کو ہے معمول نہیں۔ عادۃ اللہ کے خلاف ہے اور قدرت کے بعد واقع ہونا دلیل کے بغیر نہیں مانا جا سکتا۔ کبھی پہنچنا علم کا پہنچنا ہوتا ہے جیسے اللہ تعالےٰ کا علمی طور سے ہر جگہ ہونا ہے۔ اس سے علم غیب گو عطائی ہو محیط کل ہونا لازم آئے گا جو غیر اللہ کے لئے ماننا کفر ہوتا ہے۔

۴ پردے۔ اور اس وقت ہر جگہ حضور کے سامنے ہو جائے۔ گو یہ رونق افروز ہونا نہیں کشف ہو جانا ہے مگر ممکن ہے اور واقع بھی ہے یا نہیں۔ اس کا مدار دلیل پر ہوگا۔ اگرچہ قرآن وحدیث سے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ مگر اہل کشف کو اگر اس کا کشف ہو جائے تو انکے حق میں تو جب اور جس جس جگہ کیلئے کشف ہوگا واقعہ ثابت ہوگا یا ہے دوسروں پر دلیل نہ بن سکے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیلئے حضرت ساریہ کے درمیانی حجاب اُٹھ گئے حدیث میں ہے

اُٹھ جائیں۔ بہرحال بہر طرح یہ امر ممکن[1] ہے اور اس سے آپ کی نسبت اعتقادِ علم[2] غیب لازم نہیں آتا، جو کہ خصائص[3] ذاتِ حق سے ہے۔ کیونکہ علم غیب وہ ہے۔ جو

---

[1] اس کے ممکن ہونے میں تو اللہ کی قدرت پر ایمان رکھنے والوں کو شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ شبہ صرف واقع ہونے میں ہوتا ہے اسی کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ہے دلیل شرعی ہے۔ کشف اہل کشف کے لئے جہاں کا ہو جائے وہاں کی دلیل ہو سکتا ہے تو سب کے لئے انکار نہ کر دینا چاہئے جو کشف کا اہل نہ ہو اس کیلئے انکار صحیح ہے

[2] اگر ہر جگہ کا وجود علمی وجود سے قرار دیا جائے تو کوئی عقلی اشکال نہ رہے گا۔ اب شبہ نقلی دلیل سے رہ جائیگا کہ ہر ہر جگہ کا علم ہونا علم غیب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب جو اللہ کی صفت ہے ثابت ماننی پڑے گی۔ یہ شرک ہو جائے گا۔ جواب فرمایا کہ شرک لازم نہ آئے گا۔ کیونکہ جو علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ ہے۔ جو ذاتی ہو خود بخود بلا کسی کے دیئے حاصل ہو یہ حضور کے لئے ثابت نہیں۔ ہاں عطائی خدا تعالیٰ کا دیا ہوا ہوگا۔ وہ غیر کیلئے ممکن بلکہ واقع ہے وحی والہام یہی تو ہے۔ کیونکہ غیب مصدر بمعنے غائب ہے۔ تو وہ علم غیب ہے جو دوسروں سے غائب ہو وحی والہام ایسے ہی ہیں۔ اور اس میں کسی مسلمان کو تو دہنہیں ہو سکتا کہ علم غیب ذاتی ماننا شرک ہے اور اس میں علم عطائی بعض چیزوں کا حق عقیدہ ہے کہ وحی والہام بھی ہے ـــ اب رہا یہ سوال کہ تمام چیزوں تمام جگہوں کا عطائی علم ہے۔ یا نہیں۔ ازل سے ابد تک کا عطائی علم غیب ماننا بھی شرک ہے یا نہیں تو فقہائے احناف نے اس کو بھی کفر و شرک قرار دیا ہے بلکہ ہر ہر صفت میں یہ دونوں درجے ذاتی اور محیط کل کا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص قرار دیکر غیر کے لئے ثابت کرنا شرک بتایا ہے اور آیت ولا یحیطون بشیئ من علمہٖ الا بماشاء (اللہ کے علم سے ذرا سی شے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ چاہیں) اور واللہ بکل شیئ محیط (اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا احاطہ رکھتے ہیں) اگر بغیر کسی قوی معتبر شبہ کے یہ قرار دیا گیا تو یہ بھی شرک ہوگا۔ اور قصۂ افک میں حضرت عائشہ کی براءت نہ معلوم ہونا ہے اور قیامت میں آپ کا یہ فرمانا ہے کہ تم نہیں جانتے۔ تمہارے بعد انھوں نے کیا کیا نئی باتیں دین میں بنالیں۔ اور جیسے کہ کئی جگہ قرآن شریف میں لا تعلمھم (آپ ان کو نہیں جانتے) وغیرہ ہے اس لئے وحی والہام سے ہی معلوم ماننا صحیح ورنہ شرک ہوگا۔ اور درود کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فرشتے صرف درود و سلام پہنچاتے ہیں۔ تو اور کوئی چیز نہیں پہنچاتے۔ نہ خود علم ہوتا ہے۔ عطائی بھی نہیں۔ ورنہ پہنچانا کیوں پڑتا۔ تو عطائی محیط کل بھی شرک ہے۔ ہاں پہنچانا ماننا بے اصل ہونے سے گناہ تو ہوگا شرک نہ ہوگا۔ حجاب اٹھنا کشف ہے علم غیب نہیں۔ بعض کا ہے کل کا نہیں۔

[3] اللہ تعالیٰ کی ذات کی خصوصیتوں میں سے ہے۔

مقتضی[1] ذات کا ہے، اور جو باعلام[2] خداوندی ہے۔ وہ ذاتی[3] نہیں بالسبب[4] ہے وہ مخلوق کے حق میں ممکن[5] بلکہ واقع ہے۔ اور امر ممکن کا اعتقاد شرک و کفر کیونکر ہو سکتا ہے۔ البتہ ہر ممکن کے لئے وقوع ضروری نہیں۔ ایسا اعتقاد کرنا[6] محتاج دلیل ہے۔ اگر کسی کو دلیل مل جاوے مثلاً خود کشف[7] ہو جاوے یا کوئی صاحب کشف خبر دیدے

---

[1] خود بخود ذات کا تقاضا ہو کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔

[2] جو اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہو۔

[3] خود بخود بلا کسی کے دیئے نہیں۔

[4] ذریعہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ اور سب سے زائد تمام اولین و آخرین کے علوم دیئے ہیں جیسے حدیث میں ملے مگر علم آپ سے وہ بھی بعض ہے۔

[5] کہ ایسا ہونے میں کوئی عقلی محال لازم نہیں آتا۔ نہ بعض اشیاء کا علم عطا ہونے میں کوئی نقلی مخالفت بلکہ ایسا ہونا واقع ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی والہام اور بزرگوں کو کشف والہام بعض کا ہوتا ہے۔ ہاں ازل سے ابد تک کل کا علم محیط عطا ہونا یہ قرآن وحدیث سے غلط ثابت ہے۔ اس کا اعتقاد غلط ہے۔ اگر کہیں سے معتبر طریقہ سے غلط فہمی نہ ہوتی ہوگی تو یہ بھی شرک ہے۔ جیسے ہر صفت کو محیط کل قرار دیکر عطائی مان کر غیر اللہ میں ثابت کرنا شرک ہے۔ تو اس مجلس کا عطائی علم ماننا بے دلیل ہے۔ مگر شرک نہیں کفر نہیں۔

[6] اور اعتقاد کرنے کے لئے قطعی و یقینی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ سخت گناہ ہوتا ہے اور قطعی و یقینی دلیل صرف صاف آیت یا صاف متواتر حدیث (جس کے روایت کرنے والے ہر زمانہ میں اتنے رہے ہوں کہ عقل ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کو محال قرار دے) کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ تمام عقائد ایسی ہی دلیلوں سے ثابت ہیں ـــ اگر کسی کو ایسی دلیل مل جائے تو اعتقاد کر سکتا ہے۔ ایسی دلیل نہ مل سکے تو یہ اعتقاد شدید گناہ ہو جائے گا۔

[7] مگر کشف شرعی احکام کی دلیل نہیں شرعی احکام کی صرف یہ دلیلیں ہیں قرآن۔ حدیث۔ اجماع۔ قیاس اور کشف میں تو شبہات رہتے ہیں وہ دلیل شرعی ہی نہیں، اور عقیدہ کے لئے تو قطعی و یقینی دلیل کی ضرورت تھی۔ مگر غیر کشف اگر حسب اتفاق سے صحیح معلوم ہو جاتے تو ایک خیال ثابت ہوگا جو خود اس کے بارہ میں غلط نہیں، گو پختہ دلیل عقیدہ کی بھی نہیں۔ اور نہ دوسروں کے لئے ذرا بھی دلیل ہے،

تو اعتقاد[1] جائز ہے ورنہ بے دلیل ایک غلط خیال[2] ہے۔ غلطی سے رجوع کرنا اس کو ضرور ہے۔ مگر شرک وکفر[3] کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

پس تحقیق مختصر اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جو مذکور ہوئی۔ اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ مولد میں شریک[4] ہوتا ہوں، بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر ہر سال اپنے گھر پر منعقد کرتا ہوں اور قیام[5] میں لطف ولذّت پاتا ہوں۔ رہا علدر آمد جو اس مسئلہ میں رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہرگاہ[6] یہ مسئلہ اختلافی ہے اور ہر فریق کے

---

[1] محض حسنِ ظن سے ایک خیال ہوسکتا ہے گو شرعی اعتقاد نہیں ہوسکتا کہ اوّل تو خود کشف اپنے عقیدہ کے لئے بھی صحیح دلیل نہیں کہ وہ شرعی دلیل ہی نہیں اور عقیدہ کے لئے تو بالکل بھی نہیں۔ پھر کوئی کشف دوسرے کے لئے دلیل نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک خیال قائم کرنا ہوسکتا ہے وہ بھی جب کہ شرعی دلائل سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو، ورنہ کشف نامعتبر ہونے کی وجہ سے ان دلائل سے رد ہوجائے گا۔

[2] اور اس کو عقیدہ بنانا اور سخت غلطی ہے اس کو چھوڑنا فرض ہوگا۔

[3] غلط اور بے دلیل خیال کو عقیدہ قرار دینا گناہ تو ہے مگر اس سے جبکہ کسی قطعی یقینی دلیل سے ثابت شدہ حکم کا انکار نہ ہوگا۔ کفر نہ بنے گا۔

[4] کیونکہ مکہ مکرمہ میں رہنے والے کسی غیر واجب کو واجب نہیں قرار دیتے۔ کوئی گناہ کی بات اس کے ساتھ کرکے ذکر کی توہین نہیں کرتے، کسی خاص شکل وہیئت تاریخ ماہ کو ضروری تو کیا بناتے پابندی بھی نہیں کرتے، کوئی بے اصل روایت نہیں بیان کرتے۔ تداعی یعنی بلا بلا کر جمع کرنا بھی نہیں کرتے۔ وہاں کا ذکر رسول غیر اختیاری اوصاف کے ساتھ خاص نہیں ہوتا۔ اختیاری اوصاف عبادات انتظامات اخلاق معاملات سیاست جہاد تبلیغ احکام بود وباش اصلاح وتزکیہ سب امور پر مشتمل ہوتا ہے وہ میلاد مروّجہ نہیں ذکر رسولِ پاک ہوتا ہے۔ ذریعۂ برکات ہوتا ہے۔ اس لئے اپنے گھر پر بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

[5] اس کو کارِ ثواب بھی نہیں قرار دیتا ضروری تو در کنار صرف اپنی قوت کشفیہ یا تجربہ سے تصور خاص پر اس میں دنیوی نشۂ لطف ولذّت پاتا ہوں۔ اور اس طرح کہ دوسری جگہ بھی کوئی منع نہیں کرسکتا اس سے آپ یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ حاشیہ میں جو عرض ہے وہی ان کا حقیقی منشا ہے۔

[6] جب کہ

پاس دلائل[1] شرعی بھی ہیں۔ گو قوت وضعف کا فرق ہو جیسا اکثر مسائل اختلافیہ فرعیہ[2] میں ہوا کرتا ہے۔ پس خواص[3] کو تو یہ چاہئے کہ جو انکو تحقیق ہوا ہو اس پر عمل رکھیں۔ اور دوسرے فریق کے ساتھ

---

[1] مگر شرعی دلیل وہ ہے جو قرآن وحدیث اجماع وفقہ سے فقہائے امت کی تحقیق کے موافق ہو خصوصاً فقہائے احناف کی تحقیق کے۔ جو ان سے ہوگی۔ وہ دلیل ہے، ورنہ دلیل نہیں جعل ہے۔ پھر اگر دونوں شرعی دلائل سے باقاعدہ لی گئی ہوں۔ تو قوت وضعف کو دیکھنا ہوگا۔ بعض لوگ بات اپنی کہتے ہیں، اور اس پر گھیر گھار کے کسی آیت یا حدیث کو چپاں کر دیتے ہیں اس سے ایک عامی آدمی یہ سمجھ بیٹھتا ہے۔ کہ یہ تو قرآن وحدیث سے ثابت ہوگئی۔ گو قرآن وحدیث سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا ہو غلط معنے غلط مفہوم تراشی کے اس سے غلط حکم سمجھ لیا اور سمجھا دیا جاتا ہے۔ اور ہر شخص یہی کرنے لگا تو عام لوگ چکر میں پڑ گئے۔ اور بہت سی خطرناک بے اصل باتوں کو ان کے کہنے سے دین سمجھنے لگے۔ اس لئے اصل دینی واسلامی صحیح بات معلوم کرنے کے لئے آپ ہزار سالہ تحقیقات کی طرف رجوع کیجئے۔ اور ہر مسئلے کو فقہ حنفی اور عقائد کی کتابوں کی ان صحیح تحقیقات کے مطابق ہونا معلوم کیجئے۔ جس کو ہزار سال سے سب مانتے آئے اور تنقیحات ہو ہو کر وہی پاک صاف مفہومات ہیں، اور صاف کہہ دیجئے کہ معلوم نہیں آپ نے قرآن وحدیث کو صحیح سمجھا ہے یا نہیں۔ اس لئے فقہ وعقائد کی ہزار سالہ تنقیح شدہ کتابوں کی تحقیقاتِ قرآنی وحدیثی سے اس کو ثابت کیجئے۔ تب دلیل معتبر اور قابلِ اطمینان ہوگی۔ قوت وضعف کا یہ ادنےٰ معیار ہے جو ہر شخص معلوم کرسکتا ہے۔ ورنہ دلائل کو علماء ہی پرکھ سکتے ہیں۔ جیسے سونے کو سنار۔ عوام کو بڑے علماء کی پیروی ضروری ہے مگر بظاہر اختلافی ہی ہے۔

[2] جو ضروری عقیدہ سے تعلق نہ رکھیں۔ صرف عمل ومعاملات سے متعلق ہوں کیونکہ عقیدوں میں اختلاف تو اصولی اختلاف ہے۔ اور وہ اختلاف حق وباطل کا اختلاف ہے۔ راجح مرجوح کا نہیں۔

[3] اہلِ علم وتقویٰ بزرگوں کو چاہئے کہ پوری تحقیقات کے بعد حق پر عمل کریں۔ ویسے ہی کوئی کام نہ کریں۔

بغض[1] وکینہ نہ رکھیں نہ نفرت وتحقیر کی نگاہ سے اس کو دیکھیں نہ تفریق[2] وتفضیل کریں بلکہ اس اختلاف کو مثل[3] اختلاف حنفی شافعی کے سمجھیں اور باہم ملاقات و مکاتبت وسلام دعوا نفقت ومحبّت کے رسوم[4] جاری رکھیں۔ اور تردید[5] ومباحثہ سے خصوصاً بازاریوں کے ہذیانات[6] سے کہ منصب اہلِ علم کے خلاف ہے پرہیز رکھیں۔ بلکہ ایسے

---

[1] جب تک نیک گمان کی گنجائش مل سکے۔ غیر دین کو دین غیر واجب کو فرض و واجب بنا لیا نہ عقیدہ میں ثابت ہو نہ عمل میں ظُنُّوا المؤمنین خیراً (مومنوں سے نیک گمان رکھا کرو) حدیث ہے ایسا کرنا ہے۔ ہاں اگر دلائل سے غیر دین کو دین غیر واجب کو واجب بنانا ثابت ہو جائے تو نفرت ضروری ہے بغض فی اللہ سنت اور اہلِ بدعت کی گمراہی سے بچانا واجب ہے تاکہ حدیث من وقر بدعیا فقد هدم الاسلام (جس نے بدعت والے کی توقیر وتعظیم کی تو اس نے اسلام کو ڈھا دیا) سے اسلام کو منہدم کرنے والے نہ بن جائیں۔ اس لئے بے تحقیق ایسا نہ کریں کہ تحقیر یا توقیر کریں۔

[2] فاسق اور گمراہ قرار دینا بغیر مکمل تحقیق کے نہ کریں، تاکہ غیبت نہ بن جائے۔ ہاں تحقیق پر دین کی حدود کی حفاظت لازم ہے۔

[3] یعنی اس کے مشابہ ورنہ وہاں تو احادیث سے قرآنی آیات اجماع و قیاس سے ہی دونوں کی صحیح طریقہ کی دلیلیں ہیں زیادہ تر راجح و مرجوح کا اختلاف ہے اور سب کا حدیثوں سے ہی استدلال ہے وہ مجتہد ہیں اور یہاں حنفی مقلد ہو کر حدیث کے خلاف دین میں نئی باتیں پیدا کرنا یا نئی صفت قرار دینا ہے دونوں میں بہت فرق ہے۔ مگر زمانہ کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ بدون دلی محبت کے میل جول رکھیں بے ضرورت اختلاف کو ہوا نہ دیں جیسے حنفی شافعی میں بے ضرورت اختلاف کو نہیں اچھالا جاتا۔ اور یہ بھی اس وقت ہے کہ ان بے اصل باتوں کو عقیدہ یا عمل میں واجب نہ قرار دیں اور ماحول بھی واجب سمجھنے والوں کا نہ ہو کہ ان کی مشابہت اور سند جواز بننا نہ لازم آئے۔ اس وقت حنفی شافعی اختلاف کے مانند ہوگا کہ اپنا مذہب راجح و قوی دوسرے کا کمزور ہے۔ احتراز و بدعت، و اتباع سنت قوی ہے، ورنہ کھلی بدعت تو گمراہی اور اسلام کو منہدم کرنے والی چیز ہے اس کی گمراہی ثابت کرنا تو مسلمانوں کے دین کی حفاظت کے لئے واجب ہوگا۔

[4] طریقے حسب ضرورت نہ کہ دلی محبت۔

[5] بلا شدید ضرورت کے تردید اور بحث و مباحثہ نہ کریں۔

[6] بے عقل کی باتیں اور گندے لفظ جو بازاری لوگ استعمال کرتے ہیں حدیث میں ہے کہ مومن لعنت اور فحش بات کرنے والا نہیں ہوتا۔

مسائل میں نہ فتویٰ[1] لکھیں نہ مہر و دستخط کریں کہ فضول ہے۔ اور ایک دوسرے کی رعایت[2] رکھے۔ مثلاً اگر مانعِ قیام عاملِ قیام کی محفل میں شریک ہو جاوے تو بہتر ہو کہ اس محفل میں قیام نہ کریں۔ بشرطیکہ کسی فتنہ کا برپا ہونا محتمل[3] نہ ہو اور جو قیام ہو تو مانعِ قیام بھی اس وقت قیام میں شریک[4] ہو جاوے، اور عوام نے جو غلو اور زیادتیاں کر لی ہیں اس کو نرمی[5] سے منع کریں۔ اور یہ منع ان لوگوں کا زیادہ مفید ہوگا جو خود مولد و قیام میں شریک ہوتے ہیں؛ اور جو مانع اصل کے ہیں۔ ان کو سکوت مناسب[6] ہے۔ ایسے امور میں مخاطبت بھی نہ کریں۔ اور جہاں ان امور کی عادت ہو، وہاں مخالفت[7] نہ کریں۔ —— جہاں عادت نہ ہو وہاں ایجاد نہ کریں —— غرض فتنہ سے بچیں ——

---

[1] جب نہ کسی مباح یا مستحب کو فرض و واجب نہ عقیدہ میں قرار دے رکھا ہو نہ عمل میں اور نہ وہاں ایسے کرنے کا ماحول ہو کہ ان کی مشابہت اور سند جواز بننے کا خطرہ ہو تو فتویٰ نہ خود لکھیں نہ کسی کے لکھے ہوئے پر تصدیق کے لئے مہر یا دستخط کریں کہ فضول کا کام ہے کہ پھر ایسے میں نہ وہ بدعتی ہوگا نہ گناہ، نہ دوسری طرف کے لوگ فتویٰ لکھیں کہ حدود سے نکل جائیں گے۔

[2] بشرطیکہ عوام کے گمراہ ہونے کا خطرہ نہ ہو کہ وہ ان کے فعل کو سند بنا کر حد بدعت تک پہنچ جائیں

[3] اور اگر فتنہ کا احتمال ہو تو یہ دلیل اس کی ہوگی کہ وہ اس بے اصل کام کو ثواب ہی نہیں واجب سمجھتے ہیں۔ پھر یہ بدعت ہوگا اور ہر شریک گناہگار بنے گا۔ اور بدعت کی شرکت اور دین میں مداہنت کا مجرم ہوگا

[4] جب کہ اس کو بگمان غالب معلوم ہو کہ یہ لوگ اس کو ضروری نہیں سمجھتے کبھی کرتے ہیں کبھی نہیں اور ایک شریک نہ ہونے سے کسی اہلِ دل کو تعلق (دل کی شدید گھٹن) ہو کر جان کا خطرہ پیدا کر دے گا اور یہ اس کے احساس کرنے کا اہل بھی ہو تو اس کی جان بچانے کے لئے یہ کرنا گنجائش رکھتا ہے کہ کرے۔

[5] کہ اس طرح کہنے سے ماننے کی امید ہوتی ہے۔ اول یونہی کہنا چاہئے، نہ مانیں تو دوسری کوشش کریں

[6] کہ ان کا اثر نہ ہوگا۔ ان کو تو میلاد و قیام کو ناجائز کہنے والا سمجھتا ہے یہ اس وقت نہ کہیں بعد میں کہیں اور خرابیاں بتائیں، تاکہ جھگڑا نہ ہو،

[7] جھگڑا نہ کریں۔ صرف مسئلہ بتائیں اور پوچھنے پر نہ بتانے سے تو قیامت میں آگ کا لگام لگانے کا عذاب ہے۔ مگر نرم لہجہ اور خیر خواہی سے بتانا ہی مفید تر ہے۔ جھگڑے سے فائدہ نہیں ہوتا۔

مثلاً قصہ حطیم اسکی دلیل کافی ہے اور مجوزین[2] مانعین کے منع کی تاویل کرلیا کریں کہ یا تو ان کو بھی[3]

[1] حطیم کعبہ شریف کی شمالی جانب کا کچھ حصہ ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جاہلیت میں قوم کے پاس خرچ کم تھا یہ حصہ کعبہ شریف کا باہر چھوڑ دیا اگر لوگ کفر کے قریب زمانہ کے یعنی نئے مسلمان نہ ہوتے تو میں منہدم کرکے نئی عمارت بنواتا اور اس کو شامل کر دیتا"۔ یعنی لوگوں کے اسلام سے پھر جانے کا خدشہ ہے کہ کعبہ کو منہدم کرنے لگے۔ اس فتنۂ ارتداد کی وجہ سے حضور نے قدیم عمارت توڑ کر اسکو داخل نہیں کیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر نے تعمیر کے وقت داخل کردیا تھا حجاج نے پھر باہر کر دیا تھا پھر خلفاء دین نے کعبہ کو کھیل بنانے کے خدشہ سے منع کردیا۔ اور اب تک وہ باہر ہے تو حضور نے فتنہ سے بچنے کے لئے ایک اچھا کام روک دیا تھا۔ تو دوسرے بھی فتنہ کے وقت مستحسن چیز کو چھوڑ دیں تو اس میں گنجائش ملتی ہے جائز کہنے والے ذکر یں اور ناجائز کہنے والے بھی فتنہ سے بچنے کے لئے کرلیں تو اس کی گنجائش ملتی ہے مگر وہاں فتنہ نہایت سخت تھا کہ اسلام سے ہٹ کر مرتد ہو جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نامناسب بلکہ اپنے گمان میں غلط کام کو منسوب کرکے اپنی عاقبت برباد کرنیکا تھا یہاں ایسا نہیں ہے اور حطیم کو اندر عمارت میں داخل کرنا کوئی ضروری نہ تھا صرف طواف میں داخل کرنا کافی تھا اور یہاں اگر اس کو فرض یا واجب قرار دیکر کرتا ہو تو بدعت ہے اس کی شرکت حرام ہے اور نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ نہ فرض ہے نہ واجب اگر نہ کیا جائے تو فتنہ سے بچاؤ ہے اسلئے نہ کرنا چاہئے اور اگر کسی اہل دل کو قبض ہو کر جان نکل جانے کا خطرہ ہو تو جان بچانا مسلمان کی فرض ہے ایسے فتنہ سے بچنے کے لئے عارضی شرکت اگر صاحب احساس کی ہو تو گنجائش رکھتی ہے ورنہ بدعت و حرام کی گنجائش نہ ہوگی۔

[2] جائز کہنے والے منع کرنے والوں کے منع کی۔

[3] کہ میلاد ہر طرح سے ناجائز ہے کیونکہ تداعی (بلا بلا کر جمع کرنا) جو فرض و واجب یا شعائر کیلئے ہے مستحبات میں مکروہ ہے۔ نفل کی جماعت اس طرح سے مکروہ ہوتی ہے۔ پھر حضور کا ذکر حقیقی جو آپ کے احکامات ارشادات افعال و عبادات احوال و صفات اور خصوصاً فرض منصبی تبلیغ کو جس پر ارشاد ہے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (اے اللہ کے رسول ان تمام کو پہنچا دیجئے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسول ہونے کا کام نہ کیا) اور یہ سب حضور کے اختیار سے ہونے والے ہیں ان پر ذکر مجازی کو جو حضور کے اختیار سے باہر کے فعل ہیں حضور کے نہیں محض ذات مبارک سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مجازی ذکر رسول کا بیان ہے مجازی کو حقیقی سے افضل بنانا ہے مکروہ ہے۔ مجازی کو اصل حقیقی کو تابع بنانا بھی برا ہے پھر دن تاریخ جسکو شریعت نے مقرر نہیں کیا بلکہ ہر وقت اس کا ہونا ہی پسند کیا ہے۔ ایسے مقرر کرنا کہ خلاف کرنے کو برا سمجھنا بلکہ گناہ قرار دینا دین میں ترمیم یا اصلاح کر کے دین کی توہین کرنا ہے جب حضور نے ان باتوں کو ضروری نہیں کیا تو نہ کرنا جائز قرار دیا تو حضور کے جائز کو ناجائز کہنا خطرہ ہے۔ یا تخفیف کی تہمت حضور پر لگانا ہے ان سب کا مجموعہ برا ہی برا ہے اور پھر اس میں گانا بجانا عورتوں بے ریش لڑکوں کا پڑھنا گانا بجانا سب حرام سے آلودہ کرکے کرنا توہین ذکر ہے جس کو بڑے عالموں نے کفر بھی قرار دیا ہے۔

تحقیق ہوا ہوگا۔ یا انتظاماً منع کرتے ہوں گے کہ بعض موقع پر اصل[1] عمل سے منع کریں تب غلو[2] سے بچتے ہیں۔ اگرچہ اس وقت میں یہ تدبیر اکثر غیر مفید[3] ہوتی ہے۔ اور جو مانع ہیں وہ مجوزین کی تجویز کی تاویل کرلیا کریں کہ یا تو ان کو تحقیق[4] یہی ہوا ہے یا غلبۂ[5] محبت سے یہ عمل کرتے ہیں اور حسن[6] ظن بالمسلمین کی وجہ سے لوگوں کو بھی اجازت دیتے ہیں۔ اور عوام کو چاہئے کہ جس عالم کو متدین[7]

[1] قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ اگر کام فرض واجب سنت ہو اور اس میں شامل کر دی جائے برائی تو اصل فعل کو ترک نہ کریں گے برائی کو روکیں گے اور اگر کام مباح یا مستحب ہو تو اس وقت تک کے لئے روکا جائے گا جبتک برائی ذہنوں سے مٹ نہ جائے اس لئے اصل میلاد کی مجلس کو ہی روکنا ہوگا کہ یہ نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب، گو ذکر رسول عظیم مستحبات میں ہے مگر مجلس نہیں ذکر ہر وقت ہونا بہتر ہے۔ مجلس پر موقوف کرنے سے تو کمی ہو جاتی ہے۔

[2] حد سے نکل جانے سے کہ غیر واجب کو واجب غیر ثواب کو ثواب قرار دینے سے بچیں۔

[3] کیونکہ لوگ ضدی ہو گئے ہیں وہ اور ضد میں کام حرام کرنے لگتے ہیں درگذر بہتر ہے اگر وہ اس کو حرام نہ کریں ورنہ طلب حق والوں کے لئے صحیح بات ہی کہنی چاہئے۔

[4] جیسے کہ قیدوں کو جو شرعاً معتبر نہیں ان کا عقیدہ یا عمل میں واجب بن لینا کسی دلیل سے ثابت نہ ہو اور ایسا ماحول بھی نہ ہو جس میں لوگ واجب قرار دیکر کرتے ہوں پھر یہ ان کی مشابہت اور انکے لئے جواز کی سند نہ بنتے ہوں۔ یہ تاویل کریں کہ غلط طریقہ سے یہی تحقیق ہو گیا ہوگا کہ تداعی اور ذکر غیر اختیاری کی ترجیح مکروہ نہیں۔

[5] محبت کا حال اتنا غالب ہو گیا ہو کہ انجام کا ہوش نہیں رہا۔ کچھ معذور ہو گئے ہیں۔ مگر جن پر حال غالب نہ ہو سکے یا اس کا احساس ہو سکے وہاں روک ٹوک دینی فریضہ ہے۔

[6] مسلمانوں کے ساتھ خوش گمانی سے کہ وہ کسی غیر واجب کو واجب نہ قرار دیں گے اور وہ بھی حال سے مغلوب ہوں گے۔ اگر متقی ہوں اور محبت کا حال غالب ہو، یا غیر متقی تو نقال یا دھوکہ باز ہی ہوگا۔

[7] دیندار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت پر کہ مسلمان ناجی گروہ کی علامت کو حضور نے فرمایا تھا "اور امتوں میں بہتر فرقے ہیں میری امت میں تہتر ہوں گے یہ سب دوزخ میں ہوں گے سوائے ایک کے عرض کیا گیا کون فرمایا جو اس راہ پر ہو جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں" جو قرون خیر حضور صحابہ تابعین کے تابع ہوں رسول اور خواہشوں کو دین پر نثار کرتے ہوں اور جو ان کے زمانوں میں نہ ہوا اسکو دین کہنا بدعت ہوگا۔

محقق[1] سمجھیں اس کی تحقیق پر عمل کریں اور دوسرے فریق کے لوگوں سے تعرض[2] نہ کریں۔ خصوصاً دوسرے فریق کے علما کی شان میں گستاخی کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق ہے۔ غیبت[3] وحسد سے اعمال حسنہ ضائع ہوتے ہیں۔ ان امور سے پرہیز کریں اور تعصب وعداوت سے بچیں اور ایسے مضامین کی کتابیں اور رسالے مطالعہ نہ کیا کریں کہ یہ کام علماء[4] کا ہے۔ عوام[5] کو علماء سے بدگمانی اور مسائل میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اس مسئلہ میں جو تحقیق[6] اور عمل درآمد تحریر کیا گیا ہے کچھ اس مسئلہ کے ہی ساتھ مخصوص

---

[1] تحقیق والا۔ بڑے اور گہرے علم والا۔ اگر خود علم رکھتا ہو تو خود اہل تحقیق کو پہچان لے گا۔ ورنہ عام مسلمان جاننے والوں سے معلوم کر سکتا ہے۔

[2] ان کے متعلق گفتگو ہی نہ کریں۔ ورنہ اگر وہ علماء مقبول الہٰی ہوئے تو تمہاری دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جائینگی

[3] غیبت ایسی بات کہنا ہے۔ کہ جس کے لئے کہا ہے۔ وہ سنے تو اس کو ناگوار ہو چاہے واقع میں وہ بات اس میں ہو بھی۔ اگر نہ ہوگی تو اور بڑا گناہ بہتان باندھنے کا ہوگا۔ اور حسد کسی کی عزت یا دولت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا ہے اور اس کی کوشش تو اور زیادہ حرام ہے۔ اور نیکوں اور عالمان دین کی غیبت اور سخت ہے کسی کے بہکانے اور دھوکہ میں آکر ہرگز اپنی دنیا و آخرت تباہ نہ کرلیں۔

[4] دلیلوں کے صحیح وغلط قوی وکمزور ہونے کو وہی پرکھ سکتے ہیں۔ جیسے سونے چاندی کے کھرے کھوٹے ہونے کو سنار ہی معلوم کرسکتے ہیں۔ مکان کے مضبوط کمزور ہونے کو انجنیئر۔ صحت ومرض کو حکیم ڈاکٹر ہی معلوم کرسکتے ہیں۔ دوسرے آدمی کتاب سے علاج یا مکان کی مضبوطی یا سونے چاندی کا کھرا ہونا نہیں معلوم کرسکتے صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دے لیتے ہیں۔ ظاہری چمک سے دھوکہ کھا لیتے ہیں یہاں بھی عبادت کی عمدگی دھوکہ بنتی ہے

[5] خود دیکھنے سے یہ ہوتا ہے۔ ہاں بہت بڑا حق وتحقیق والا عالم ہو تو اس کی تحریر وتقریر دیکھنا سننا درست ہے اس سے حق بات ہی معلوم ہوگی۔

[6] اس میلاد کے مسئلہ میں جو تحقیق اور عمل کا طریقہ لکھا ہے۔ کہ جو بات فرض و واجب نہیں اس کو فرض و واجب کی طرح کرنا بدعت وحرام ہو جاتا ہے۔ اور صحیح نیت سے بھی جہاں ایسا کرنیوالے ہوں گے وہاں انکی مشابہت اور چونکہ دوسروں کو دل کا حال معلوم نہ ہوگا۔ کرتے دیکھ کر وہ جائز سمجھ لیں گے وہاں سند جواز بننے کا گناہ ہوگا۔ جہاں ایسا کرنے والے نہ ہوں۔ وہاں اگر کبھی کسی نے بے مکروہ ناجائز سے بچ کر کرلیا تو حرج نہیں ہوگا۔ یہ بات سب مسئلوں میں کام آئے گی۔

نہیں نہایت مفید اور کارآمد مضمون ہے جو اکثر مسائل اختلافیہ خصوصاً جن کا یہاں ذکر ہے۔ اور جو اس کے امثال[1] ہیں مثل مصافحہ یا معانقہ عیدین یا مصافحہ بعد وعظ و بعد نماز فجر و نماز عصر یا نماز ہائے پنجگانہ و تکرار[2] تہلیل بعد نماز پنجگانہ اور دست[3] بوسی و پابوسی اور ان کے سوا[4] بہت امور ہیں۔ جن میں اس وقت شور وشر پھیل رہا ہے۔ ان سب امور میں اس مضمون کا لحاظ رکھنا مفید ہوگا کہ سب

---

[1] ان کے جیسے ہیں کہ جیسے عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کے بعد مصافحہ کرنا اور گلے ملنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب اس کو ضروری ثواب یا واجب جیسے عقیدہ یا عمل میں کرکے کرنا بدعت اور گناہ ہوگا، اور جہاں لوگ ثواب یا واجب کرکے کرتے ہوں وہاں ان کی مشابہت اور سند جواز بننے کا گناہ ہوگا۔ ایسے ہی وعظ کے بعد یا فجر وعصر یا پانچوں نمازوں کے بعد امام سے مصافحہ کرنا یا پانچوں نمازوں کے بعد بار بار بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھنا، ہاتھ پاؤں چومنا نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ مگر مصافحہ سنت ہے۔ مگر دور سے آنے والے یا دیر سے آنے والے سے نہ کہ نمازوں کے بعد۔ اب ان کو ثواب یا واجب کی طرح ضروری کرکے کرنا بدعت ہو جائے گا۔ اور خالص نیت سے بھی جہاں ان کا رواج واجب کی طرح کا ہوگا۔ وہاں ان کی مشابہت اور سند جواز بننے کا گناہ ہوگا۔ ہاں جہاں رواج نہ ہو وہاں بغیر ضروری سمجھے کسی نے کبھی کرلیا تو گناہ نہیں ہوگا۔ مگر نفس کے دھوکہ میں نہ آجائیں کہ وہ غلط راہ پر ڈال دے۔ کہ نہ ہم واجب جیسا سمجھتے ہیں، نہ دوسرے لوگ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ سے بے دیانت سے کام کریں۔

[2] پانچوں نمازوں کے بعد لا الہ الا اللہ بلند آواز سے بار بار کہنا جو منسوخ ہے۔

[3] ہاتھ پاؤں چومنا۔ پاؤں چومنے میں تو غیر خدا کو سجدہ سا بنتا ہے جو حرام تھا۔

[4] اور بہت باتیں ہیں جو فرض نہ واجب نہ سنت مگر لوگ ان کو عقیدہ یا عمل میں واجب بناکر کرتے ہیں، یا وہ کار ثواب نہیں۔ ان کو کار ثواب بناکر کرتے ہیں۔ وہ سب بدعت وگمراہی بن جاتے ہیں۔ بڑا گناہ ہوتا ہے۔ اور جہاں ایسے لوگ ہوں تو وہاں خالص نیت سے بھی ان کی مشابہت اور سند جواز بننے کا گناہ ہوتا ہے۔ سب جگہ یہ قاعدہ جاری کرکے دیکھنا ہے۔

اسی قاعدہ پر مبنی ہیں[۱] - فاحفظہ تنتفع[۲] انشاء اللہ تعالےٰ ۔

---

[۱] سب کی بنیاد اسی قاعدہ پہ ہے جو شروع میں حدیث لکھ کر بیان کیا گیا تھا کہ "جس نے ہمارے اس کام یعنی دین میں کوئی نئی بات پیدا کی تو وہ مردود ہے۔" اور نئی بات بنانا دو طرح کا ہوتا ہے ایک یہ کہ دین کی بات نہ ہو ثواب کا کام نہ ہو اس کو دین کی بات ثواب کا کام قرار دیں۔ دوسرے یہ کہ جو درجہ اس کا دین میں نہ ہو وہ اس کا بنا دیں کہ جو کام نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت صرف جائز کہ اس کا کرنا بھی درست نہ کرنا بھی درست یا مستحب کہ اس کا کرنا ثواب نہ کرنا بھی درست ہو۔ اس کو فرض یا واجب عقیدہ میں بنالیں یا عمل میں اس کو واجب قرار دیدیں کہ نہ کرنے والے پر طعن ہونے لگے اور برا قرار دیں تو حدیث شریف کے حکم سے یہ مردود ہے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے ہر گمراہی دوزخ میں ہے۔

بعض لوگ بہکانے کے لئے ان کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور ان پر بعض حدیثوں کے لفظوں سے غلط دلیل لے آتے مگر یہ صحیح نہیں بات یہ ہے۔ کہ عربی زبان میں بدعت لغت سے ہر نئی چیز کو کہتے ہیں ہر نئی چیز جو پہلے سے نہ ہو زبان و لغت کے اعتبار سے بدعت ہے پھر اس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ کہ اس سے دین کو فائدہ ہو فرض و واجب سنت کو قوت پہنچے جیسے بڑی بڑی پکی مسجدیں بنانا۔ مدرسے خانقاہیں تو یہ ثواب کا ذریعہ بننے سے ثواب ہوجاتی ہیں۔ یعنی دین نہیں۔ دین کا ذریعہ بن کر یہ بدعت حسنہ ہیں مگر لغت کے معنے سے دوسری وہ کہ نہ دین کا ذریعہ نہ مخالف و منع تو وہ جائز بدعت ہے لغت کے اعتبار سے جیسے کوٹھیاں بنگلے ریل موٹر جہاز وغیرہ استعمال کی چیزیں نئی نئی تیسری وہ جو کسی ممنوع اور گناہ کا ذریعہ ہو وہ بدعت سیئہ اور گناہ ہے جیسے ساری گناہ کی نئی نئی چیزیں تو یہ گناہ ہیں۔

یہ قسمیں تو زبان اور لغت کے اعتبار سے ہیں اور شریعت مطہرہ میں بدعت کی تعریف وہ ہے۔ جو حدیث شریف میں آگئی ہے۔ جس کو اوپر بیان کیا ہے۔ اور شروع کتاب میں بھی درج ہے۔ یہ شرعی بدعت ہے اس کی دو تین قسمیں نہیں۔ یہ ایک ہی قسم بدعت سیئہ ہی ہے۔ سخت ترین گناہ شراب چوری بدکاری سے بھی سخت گناہ حضور نے ہر بدعت کو گمراہی اور ہر گمراہی کو دوزخ میں فرمایا ہے۔ اور حضور شرعی مفہوم سے فرماتے ہیں جیسے تمام اور الفاظ کے بھی شرعی مفہوم ہیں اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور یہ بھی بہت خطرناک چیز کیونکہ جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی نہیں وہ دین نہیں ہوسکتی اور جس کو اللہ رسول نے فرض واجب قرار نہیں دیا، وہ فرض واجب نہیں ہوسکتی۔ اب بے اصل باتوں کو دین کہنا دو طرح ہوسکتا ہے یا یہ قرار دینا کہ یہ اللہ رسول کی فرمائی ہوئی ہیں۔ تو یہ خدا و رسول پر بہتان ہے اور قرآن مجید میں ایسے بہتان طرازوں کو انتہائی ظالم فرمایا گیا ہے یا ان کا فرمایا ہوا تو نہیں قرار دیتے مگر پھر بھی اس کو دین اور کار ثواب قرار دیتے ہیں تو یہ صاف یہ بات ہوگئی کہ اللہ و رسول کے حکموں کو ناکافی وناقص قرار دیا گیا اور انکے دین و احکام میں اصلاح یا ترمیم کی گئی۔ گویا ان کو بغیر اپنی اصلاح و ترمیم کے غلط یا مضر یا غیر مفید بنایا اور اپنی بات کو خدا کی بات کہہ کر خود کو مقابلہ پر لاکر دکھڑیا۔ ذرا غور کیجیے یہ سب اللہ رسول کی سخت ترین توہین ہے

(بقیہ صفحہ ۴۵ پر)

دُوسرا مسئلہ فاتحہ مروّجہ کا

اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو مسئلہ مولد میں مذکور ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس[۱] ایصال ثواب بارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص

---

[۱] یعنی اہل السنۃ والجماعۃ میں کسی کو نفس ثواب پہنچانے کے درست ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہاں شافعی حضرات مالی عبادت کے ثواب کے قائل ہیں بدنی کے نہیں اور بعض اہل حدیث اور معتزلہ بالکل ہی منکر ہیں مگر تمام احناف کے نزدیک نفل نماز روزہ حج تلاوت درود ذکر اور صدقہ وخیرات قربانی کا ثواب فوت شدہ سب کو پہنچانا جائز ہے جس کی دو صورتیں فقہ حنفی میں بتائی ہیں کہ کسی خاص یا عام کو ثواب ملنے کی صرف نیت سے ہی وہ کام کرلیں۔ جہاں نیت پہلے ہوگی یا کام کر کے کہدیں کہ یہ کام فلاں کے لئے ہے۔ یہی حدیث قرآن سے راجح وقوی ہو کر ثابت ہے۔ مگر فاتحہ کی یہ رواجی صورت کہ کھانا سامنے رکھ کر اس پر آیات قرآنی پڑھ کر ہی دعا کرنا خصوصیت سے کہیں منقول نہیں ہے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ صحابہ کے نہ تابعین کے زمانہ میں نہ اولیائے کرام کے ہاں الگ الگ سب ہیں الگ جائز ہیں۔

★ (نوٹ صـ۳۴ سے آگے)

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کو منہدم کردیا" اور ایسی باتوں کو مردود فرمایا۔ لہٰذا یہ اور سب گناہوں سے بڑھ کر گناہ ہے کہ اس میں خدا و رسول کی توہین و تحقیر لازم آجاتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح اسلام کی توفیق بخشیں اور ہمیشہ کو اس پر قائم رکھیں آمین!

[۲] ان سب باتوں کو یاد کرلو انشاء اللہ تعالیٰ ان سب سے نفع حاصل کروگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی بے غبار صورت یہ ہے کہ تبلیغ احکام کے لئے دعوت دی جائے جو فرض کفایہ کام کی دعوت ہے۔ اور حضور کے احکام ارشادات افعال اعمال اخلاق انتظامات و سیاسات معجزات وغیرہ جو حضور کے اختیار کے کام ہیں حضور سے صادر ہونے والے ہیں اور حضور کا حقیقی ذکر میں اصل بنا کر کئے جائیں اور درمیان میں غیر اختیاری باتوں کا جو حضور سے صادر نہیں ہوتے محض حضور سے تعلق رکھتے ہیں حسن وجمال قد و قامت ولادت مرض وصحت اور وفات کے حالات کہ مجازی ذکر ہیں وہ ذکر ہوں اور بالکل صحیح احادیث سے بیان ہوں کسی ناجائز یا مکروہ بات سے آلودہ کر کے ذکر مبارک کی توہین نہ ہو بڑھانے والے کافروں کی طرح دائے

(باقی صـ۳۶ پر)

و تعیین کو موقوف[1] علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع[2] ہے

[1] تخصیص کہ صرف مٹھائی یا کھانا ہی ہو یا فلاں فلاں کھانے ہوں اور یہ تعین کرنا کہ وہ سامنے ہوں اور ان پر آیات قرآنیہ ضرور پڑھی جائیں، اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی جائے، نہ قرون خیر میں تھا نہ ان سے نقل نہ اس کی کوئی ممانعت وارد ہے کہ اس وقت تھا ہی نہیں۔ اب اس کو ایسا سمجھیں کہ ثواب اسی پر موقوف ہے بغیر اس کے نہیں ہو سکتا یا اس خصوصیت اور طریقہ کو فرض یا واجب عقیدہ یا عمل میں قرار دیدیں کہ نہ کرنے والوں پر اعتراضات و طعن ہو تو یہ بدعت ہو جائے گا۔ اور حدیث شریف کے حکم سے مردود ہو گا گناہ عظیم ہو گا۔ اور جہاں یہ رواج ہو گا وہاں بغیر واجب سمجھے۔ مشابہت و سند جواز کا گناہ ہو گا۔
[2] بدعت گناہ عظیم ہے۔ دین میں اصلاح دنیز بہم اللہ و رسول کے دین کو ناقص و ناکافی قرار دینا۔ اور خود کو مستقل بنانا یا دین پر کہ کر بہتان باندھنا ہے۔

★ (نوٹ صفحہ ۳۵ سے آگے)

تاریخ وانتی مقرر ہو جلسوں کی طرح وقتی تاریخی مقرر ہو اور حضور کے بے انتہا احسانات کے باوجود سال بھر ایک دن ذکر کرنا بڑی محرومی ہے حضور کا ذکر مبارک تو ایسی چیز ہے کہ ہر دن ہر وقت ہر جگہ ہر بات میں برابر ہوتا ہے۔ حقیقی قیدیں لگیں گی تو ذکر کم ہونے کا سبب ہوں گی۔ پھر یہی نہیں کہ صرف زبان سے ہو دل سے بھی ہو۔ کہ عظمت و محبت کا جو درجہ فرض یا استحباب کا ہے ہر وقت دل میں موجود رہے اور آنکھوں سے بھی ہو کہ دین کے احکام اور تمام اعمال و اخلاق وغیرہ کی کتابیں دیکھیں کانوں سے بھی ہو کہ سنیں اور ذہن حافظہ سے بھی ہو کہ ان سب کو محفوظ رکھا کریں، عقل سے بھی ہو کہ ہر چیز سے ان کی فوقیت معلوم کریں، اور تمام جسم سے بھی ہو کہ جو جو حضور نے جس جس طرح کیا ہے اسی طرح کیا کریں۔ یوں ہوتا ہے ذکر رسول کہ زندگی کا کوئی منٹ اور سیکنڈ بھی ذکر رسول سے خالی نہ ہو کامل پیروی ہو اور کوئی کام بات چیز منٹ ان کے بغیر نہ ہو اور سانس خرچ کیا جاتا ہے کہ جس بزرگ کو جو بھی درجہ ملا ہے وہ اسی طرح ہر ہر طرح ذکر رسول سے ملا ہے۔ اور ہر مسلمان کو اسی طرح ہر ہر طرح کا ذکر برابر ہمیشہ کرنا چاہئے یہی کمال کا زینہ ہے۔ اور حضور کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ سال میں ایک دن کر لیا۔ (اور باقی غائب یہ میت ہی ناقص ذکر ہو گا۔ پھر یہ کہ صرف زبان سے وہ بھی ایک غیر اختیاری بات کا مجازی ذکر ذرا غور سے کام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضور نے احادیث میں ایسے ہی ذکر رسول درج کیا ہے۔ کہ اصل احکام اعمال اخلاق اختیاری باتیں ہیں ساتھ ہوتے غیر اختیاری بھی کوئی کوئی کبھی کبھی ہے۔ ذکر رسول میں خدا و رسول کا جو طریقہ ہے سب سے افضل وہی ہو سکتا ہے۔ اس سے ہٹ کر دوسرے طریقہ بنانا خطرہ سے خالی نہ ہوں گے۔ اور ان کو ان سے افضل قرار دینا گناہ اور غیر واجب کو واجب بنا کر بدعت اور حرام سے ذکر مبارک کو آلودہ کرنا سخت توہین اور کفر کے قریب ہو گی۔ ذرا سمجھ سے کام لیا جائے کہ حرام ایک معنوی نجاست ہے تو جیسے ظاہری نجاست سے حضور کے ذکر

(بقایا صفحہ ۳۷ پر)

ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث[1] تقیید ہیئات کذائیہ ہے تو کچھ حرج[2] نہیں جیسے بمصلحت[3] نماز میں سورت خاص معین کرنے کو فقہائے محققین نے جائز کہا ہے، اور تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول[4] ہے اور

[1] اس طرح کی عبادت اور قیدوں کی کوئی دینی مصلحت ہو مگر واجب ہونے کا نہ اعتقاد ہو نہ عمل میں ضروری ہو کہ خلاف پر طعنہ ہو۔
[2] یعنی پھر وہ بدعت تو نہیں ہے لیکن اگر ماحول واجب سمجھنے کا ہو تو ایسا کرنے سے انکی مشابہت اور عوام کے لیے جواز کی دلیل بننے کا گناہ ضرور ہو گا۔ مگر جہاں ایسا رواج نہ ہو وہاں کبھی کسی نے کر لیا تو جائز بھی ہو گا
[3] یہ بھی ایسے ہی جائز ہو سکتا ہے۔ جیسے اگر کسی کو زیادہ نہیں صرف دو ایک سورتیں یاد ہیں یا وہ حضور سے منقول ہونے کی وجہ سے یا کسی عمل کے لئے بغیر ضروری قرار دیئے کبھی کبھی یہ معین سورتیں پڑھ لیتا ہے۔ گو ہمیشہ یہی پڑھتا اور کوئی نہ پڑھتا فقہائے احناف نے مکروہ قرار دیا ہے کہ یہ دلیل بنتی ہے۔ ان کے دوامی سنت اور بعض سورتوں کو بعض سے افضل قرار دینے کی لیکن اگر اور نہ یاد ہوں تو جائز بھی ہیں۔ ایسے ہی یہاں اگر کوئی دینی مصلحت ہو یا اور کوئی صورت ہی ممکن نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہو سکتا ہے مگر واجب قرار دینے والے ماحول میں یہ خرابی یہاں بھی لازم آئے گی۔ کہ ان کی مشابہت اور سند جواز بننے کا گناہ ہو گا جو نماز میں لازم نہیں آتی کہ وہاں ایسا ماحول اور رواج نہیں اور اگر کہیں ہو گا تو وہاں بھی یہی خرابی ہو گی۔ - - - - لہذا جو تکرار یہاں دینی مصلحت تو ہو نہیں سکتی۔ اگر اور صورت ممکن نہ ہو تو یہ باوجود مشابہت کے جائز ہو سکتی ہے۔ یعنی بدعت نہ ہو گی محض گناہ ہو گی۔
[4] مگر نہ اس کو فرض واجب سمجھتے ہیں۔ نہ ایسا کرنے والوں پر اعتراض و طعنہ کرتے ہیں۔ نہ وہاں آہستہ ہونے سے اس کا ماحول ہے کہ شبہ یا سند جواز بن سکے۔ یہی باتیں جہاں اس کے لئے ہوں گی وہاں جائز ہو سکتی ہے جو کبھی کرنے کبھی خلاف کرنے سے معلوم ہو گی۔

★ (نوٹ صفحہ ۳۶ سے آگے)

آلودہ کرنا کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر ایمان اور ہوش صحیح ہیں تو معنوی نجاست سے آلودہ کرنا بھی کسی مسلمان سے برداشت نہیں ہو گا۔ یہی بات انگریزوں کے طریقہ سے کرنے میں خیال کر لیجئے کہ کافروں کی خاص باتیں معنوی گندگی ہیں ان سے آلودہ کرنا بھی حضور کے ذکر کی توہین ہے۔ آج کل یہ حرکت ناسمجھی سے بہت ہو رہی ہے۔ اس کو خوب ذہن نشین کر لو انشاء اللہ فائدہ اٹھاؤ گے۔ یعنی آگے مسئلوں میں بھی اس جیسی ہی باتیں آئیں گی۔ یہاں سے ہی ان سب سنت بدعت شرعی غیر شرعی قابل اعتراض و ناقابل اعتراض ثواب و گناہ کی ذات کو خوب سمجھ لو گے تو سب ہی یہ کام دیں گی۔

تامل[1] سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف[2] میں تو یہ عادت تھی مثلاً[3] کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا۔ اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین[4] میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت[5] قلب و لسان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اسی[6] طرح یہاں اگر زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں[7] شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے۔ پھر

---

[1] غور کرنے سے۔ یعنی یہ تو ظاہر ہے کہ جو عادت ہمارے ملک و قوم میں رواج پا رہی ہے، وہ خیر القرون حضور کے فرماتے ہوئے بہتر زمانوں حضور کا صحابہ کا تابعین کا زمانہ ان میں اس شکل کا ثبوت نہیں، اب یہ شکل مسلمانوں نے کیسے تجویز کر لی ہے غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے [2] قدیم بزرگوں میں
[3] یا نفل نماز روزہ و حج صدقہ خیرات تلاوت درود ذکر کوئی ثواب کا کام۔
[4] بعد کے لوگوں میں۔ اس سے ستشر کے بعد کے فقہا مراد نہیں کیونکہ فقہا نے تو ایسا کیا نہ بتایا۔ بلکہ عام مسلمان بعد کے مراد ہیں جو جدت پسند ہوتے۔
[5] نماز میں وسوسوں کا ہجوم رہتا ہے تو دل اور زبان میں موافقت پیدا کرنے کے لئے تاکہ وسوسوں کے ہجوم میں دل ڈانوا ڈول نہ ہو جائے۔ علماء نے اچھا قرار دیا ہے۔
[6] گو یہاں وسوسوں کا ہجوم نہ ہو کیونکہ یہ صرف خدائی کام نہیں کہ شیطان اس کے پیچھے پڑے ایک عزیز کا کام ہے چنانچہ تجربہ بتاتا ہے کہ اس میں وسوسوں کا ہجوم نہیں ہوتا۔ اور نماز خدا کا فرض ہے۔ اس میں نیت کرنا فرض ہے۔ اس کے فوت ہونے کا خدشہ نہایت سخت چیز ہے۔ اور یہاں تو یہ کام ہی اس کے لئے کیا ہے۔ دوسرا کوئی خیال بھی نہیں۔ مگر پھر بھی کوئی حرج کی بات نہیں کہ زبان سے کہہ لیں۔ ہاں اس کو ضروری و واجب بنانا گناہ ہوگا جیسے نماز کے لئے بھی ضروری بنانا گناہ ہے۔ گو وہاں خدائی فرض ہو جیسے شیطان پیچھے پڑتا ہے۔ یہاں تو اگر وسوسہ بھی لائے گا تو اور دو چار کو ثواب دینے کا لائیگا۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ فقہا نے لکھا ہے کہ سارے مسلمانوں کی نیت کرنی بہتر ہے کیونکہ راجح یہ ہے کہ سب کو اور کرنے والے کو برابر برابر ثواب ملتا ہے تو کیوں بخل سے کام لیا۔
[7] گو یوں کہنا لازم نہیں۔ یہ کہنا بھی ایصال ثواب کے لئے کافی ہے کہ یہ فلاں کے لئے ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قربانی کر کے فرمایا تھا ھٰذہ لامۃ محمد (یہ تمام امت محمدیہ کے لئے ہے) یہ حدیث ایصال ثواب سب کو ہونے کی بھی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ امت میں زندہ و مردہ اور نہ پیدا ہوئے لوگ سب تھے۔ مگر ایسا کہنا بھی منع نہیں۔ اگر لازم نہ سمجھیں تو بدعت نہ ہوگا واجب کے ماحول میں تشبہ و سنت کا گناہ ہوگا

کسی کو خیال ہوا کہ اس لفظ کا مشار الیہ[1] اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار[2] قلب ہو کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا[3] ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت کی بھی امید ہے۔ اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ کہ جمعہ[4] بین العبادتین ہے۔ ع چہ[5] خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار۔ قرآن مجید کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا کہ دعا کے لئے رفع یدین[6] سنت ہے ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ جو کھانا کسی مسکین کو دیا جاویگا اسکے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے پانی پلانا بھی بڑا ثواب ہے اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئیات[7]

---

[1] جس کی طرف اشارہ ہو کہ اس کا ثواب۔
[2] دل کا حاضر کرنا مگر بعض کام ایسے ہیں کہ وہ روبرو ہو نہیں سکتے۔ تلاوت ذکر درود نماز روزہ کو سامنے کچھ باقی نہیں، جس کی طرف محسوس چیزوں کی طرف اشارہ کرنے والے لفظ سے اشارہ ہو سکے اور گو خدا تعالےٰ کو سب علم ہے اشارہ بیکار ہے۔ مگر گناہ بھی تو نہیں ہو سکتا جب تک اس کو فرض واجب نہ بنا لیا جائے۔ ہاں یہ گستاخی ضرور بن سکتی ہے کہ نعوذ باللہ خدا تعالےٰ کو بھی انسانوں کی طرح غلطی لگنے کا شبہ تھا اس لئے سامنے رکھ کر اشارہ ہوگا۔ یا کہیں سالنے ہی کھانے کا ایصال ثواب نہ مراد ہو جائے مگر ایسا خیال مسلمان سے بعید ہے اور ذکر کی طرح دل حاضر کرنا ضروری نہیں مگر منع بھی نہیں!
[3] گو خاص دعاؤں میں سے نہیں نہ حضور نے ایسے وقت یوں دعا کی نہ دعا کے آداب میں آیات کا ساتھ ہوتا ہے چنانچہ صبح و شام کے ہر ہر کام پر دعائیں حدیث و قرآن میں ہیں کہیں یہ وارد نہیں مگر نا جائز بھی نہیں کہا جا سکتا، جبتک لازم نہ بنائی جائے۔
[4] دو عبادتوں کو جمع کرنا ہے قرأت و خیرات۔ ایک بدنی ایک مالی۔ جبتک جمع کو ضروری یا جمع کو ثواب نہ جمع کرنیکو کم پائے ثواب نہ سمجھیں الف تا جمع ہوں حرج نہیں [5] کیا اچھا ہو کہ ایک ہی اشارہ سے دو کام نکل آئیں
[6] اگرچہ ہر دعا میں نہیں صبح و شام اور متفرق کاموں یا خانہ جاتے آتے مباشرت کے وقت کی دعاؤں میں کہیں ہاتھ نہ نماز کے اندر کی دعاؤں میں مگر گناہ بھی نہیں ایسے ہی پھل پانی میوہ وغیرہ کا ساتھ ہونا جبتک کہ واجب نہ بنا لیں بدعت نہیں واجب کا ماحول نہ ہو تو گناہ بھی نہیں [7] یہ ایسی شکل جو رواج میں حاصل ہوگئی نہ کوئی شرعی چیز ہے نہ خیر القرون سے ہے محض لوگوں کی تجویز ہے جبتک واجب نہ قرار دیں بدعت نہیں۔

کہ ادائیگی حاصل ہوگئی۔

رہا تعیین[1] تاریخ۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول[2] ہو اس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے۔ اور نہیں تو سالہا[3] سال گذر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں[4]

[1] وقت و تاریخ مقرر کرنے کی چار صورتیں ہیں دو عارضی کہ صرف ایک بار رکھے جیسے جلسہ تقریب تقریر نکاح رشتہ کی تاریخ یا چند بار کیلئے گھنٹہ منٹ سے نماز و دن کے اوقات تیسری صورت دائمی مگر بغیر ضروری واجب بنائے جیسے فجر و عصر کے بعد تسبیحات چوتھے ضروری و واجب عقیدۃً یا عملاً بنا کر دائمی ہو لیں یہ گناہ ہے کہ غیر واجب کو واجب بنانا ہے تو ممکن ہے یہاں عارضی ہی ہوا اور ماحول واجب کا نہ ہو کہ تشبہ و سند جواز کا گناہ رہے۔

[2] عمل کے لئے مقرر کیا ہوا ہو۔

[3] گو یہ دلیل اس کی ہے کہ اس رسم کو ہی پورا کرنا ہے نہ میت کا خیال رہتا ہے نہ ایصال ثواب خود اس کی ضرورت سمجھ کر کرنے کا شوق ایک رسم پڑگئی ہے۔ ایک جشن منانا ہے۔ اس وجہ سے کرنا اور ضرور ہی کرنا ہے چاہے بس چلے یا نہ چلے۔ پیسے ہوں نہ ہوں۔ سودی قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے ورنہ طعنے سننے پڑیں گے۔ جگ ہنسائی ہوگی۔ لوگ کیا کہیں گے۔ بے عزتی ہوگی۔ کرنے اور عمدہ سے عمدہ کرنے میں عزت ہوگی۔ تو یہ نمود و نمائش کا گناہ سمیٹنا ہے۔ نہ ثواب ہوگا۔ نہ ایصال ثواب رقم ہی ضائع ہوگی۔ اور اسی خیال سے کہ اس تاریخ پر ہو تو ثواب آگے پیچھے ہو ثواب نہیں ، بدعت بنا لینا ہوا ایصال ثواب کی جگہ ایصال عذاب نہ بن جائے۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جو خفیہ خیرات کی اور نقد کی فضیلت ہے۔ کوئی شخص اس رسم کو چھوڑ کر اس افضل پر تیار نہیں ہوتا جب یہ صورتیں ہوں گی۔ تو رقم بھی ضائع ہو جائے گی اور گناہ ہوگا کہ غیر واجب کو واجب سمجھا۔ اور یہ خیال نہ ہو تو بھی واجب سمجھنے والوں کی مشابہت اور جواز سند بننے کا گناہ ہوگا اور قرآن و حدیث کے افضل طریقہ سے محرومی ہوگی۔ جہاں واجب قرار دینے سے ذہن خالی ہو اور ماحول واجب کرکے کرنے کا نہ ہو وہاں اتفاقاً کبھی کوئی کبھی کوئی تاریخ مقرر کر لینا درست ہوگا۔ ہاں ضروری و واجب بنانا بدعت ہے۔ تعلق و محبت کا تقاضا تو روز روزنہ ورنہ دو وقت وسعت ایصال ثواب جو بھی ہو سکے خفیہ ہوتا رہنا تھا۔ تو یہ رسم ہوئی یا محبت۔ لیکن بغیر واجب قرار دیئے بدعت نہیں۔

[4] جو نہ دین کے فائدہ کی ہیں نہ ضروری ہیں۔ ان کو ضروری بنانا ہی بدعت بنا دے گا۔ لہٰذا بدل بدل کرکے کام کیا جا سکتا ہے: تاکہ کام بھی ہوا کرے اور غیر واجب کو واجب بنانا لازم نہ آسکے اور مشابہت و سند جواز نہ ہو۔ غرض ضروری و واجب قرار دیئے بغیر ان کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔

ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا۔ ذہین آدمی غور کرکے سمجھ[1] سکتا ہے۔ اور قطع نظر مصالح مذکورہ کے ان میں بعض اسرار[2] بھی ہیں پس اگر صرف یہی مصالح[3] بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ[4] نہیں رہا عوام کا غلو[5] اس کی اصلاح کرنا چاہئے۔ اس عمل[6] سے کیوں منع کیا جاوے ثانیاً ان کا غلو[7] اہل فہم

[1] کہ ان میں سہولتیں ہیں۔ مگر کوئی دینی مصلحت نہیں ؛ اور نہ کوئی فرض و واجب ہے اگر اس کو عقیدہ یا عمل میں واجب قرار دے کر کریں گے تو جرم عظیم بن جائے گا جہاں کا ماحول واجب کا ہو جب تک ماحول نہ بدلے گناہ ہوں گے۔ چونکہ نہ فرض نہ واجب نہ سنت مؤکدہ جیسے واجب قرار دیں گے منع کرنا واجب ہوگا

[2] راز، جن کا علم صرف اہل کشف کو ہو سکتا ہے۔ گو وہ شرعی دلیل نہیں نہ دوسرے کیلئے دلیل ہیں۔ نہ اس کو معلوم مگر جب تک اس کو ضروری نہ قرار دے۔ حرج بھی نہیں جہاں تشبہ اور سند جواز نہ بن سکے۔ اور کشف سے کوئی شرعی بات نہیں معلوم ہو سکتی۔ نہ وہ شرعی دلیل ہے کوئی دنیوی بات لذت کی ہو سکتی ہے

[3] جو انتظام و سہولت کی بیان ہوئی ہیں اگر ان کو ضروری نہ بنائیں ان خصوصیتوں کی بنیاد ہوں۔

[4] یہ بدعت و مردود نہیں اگر ماحول واجب بنانے کا نہ ہو تو تشبہ و سند جواز بننے کا گناہ بھی نہیں ایسا ماحول ہو تو گناہ ہوگا، اس کو بند کرنا ضروری ہوگا اور واجب بنا لیا تو بدعت ہوگا۔

[5] حد سے بڑھنا ان باتوں کو عقیدہ یا عمل میں واجب بنا لینا تو بدعت ہوتا ہے۔

[6] اگر اصلاح ہو جائے تو بہتر ہے پھر کیوں اس سے منع کیا جائے اور اگر اصلاح نہ ہو۔ وہ ضد کریں تو چونکہ یہ کام فاتحہ نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ شعار دین خرابیوں کی وجہ سے اس کو منع کرنا ہی ضروری ہوگا۔ کیونکہ پھر جائز کہنا تو خرابیوں اور بدعت کو جائز کہنا ہوگا۔

[7] حد سے بڑھنا کہ ایصال ثواب کو ہی فرض و واجب سمجھنے لگیں۔ یا اس خاص شکل و ہیئت کو یا سب باتوں کو یا چند کے جمع کرنے کو ———— ثواب یا واجب اور نہ کرنے کو گناہ قرار دینے لگیں تو ان کا یہ سمجھنا۔ سمجھداروں کے کام میں تو اثر نہیں ڈال سکتا۔ وہ تو اس کو ضروری و واجب نہیں سمجھتے ان کا گناہ ان پر کیوں ہوگا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (ایک گناہ والا دوسرے کا گناہ نہیں اٹھائے گا۔) ان کا گناہ سمجھداروں پر نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہاں رواج اسی کا ہے۔ کہ لوگ ان میں سے ہر ہر بات کو واجب سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ تو وہاں سمجھداروں کا کرنا ان کی مشابہت اور ان کے لئے جواز کی سند بن جائے گا۔ یہ خود ان کا گناہ ہوگا۔ مگر یہ بدعت نہ ہوگا بدعت تو بہت سخت چیز ہے۔

کے فعل میں موثر نہیں ہو سکتا۔ لنا[1] اعمالنا ولکم اعمالکم۰

رہا شبہ تشبہ[2] کا اس میں بحث[3] از بس طویل ہے۔ مختصر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تشبہ اس[4] وقت تک رہتا ہے جبتک وہ عادت اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہو کہ جو شخص وہ فعل کرے اسی قوم سے سمجھا جاوے یا اس پر حیرت ہو، اور جب دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائے تو وہ تشبہ جاتا رہتا ہے ورنہ اکثر امور متعلق عادات[5] وریاضات[6] جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں۔ مسلمانوں میں اس

[1] ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں تمہارے لئے تمہارے عمل

[2] کافروں سے مشابہت کا کہ وہ بتوں کے لئے ایسا ہی کرتے ہیں کھانا پانی رکھکر اشلوک پڑھتے اور چڑھاتے ہیں

[3] بہت لمبی ہے۔ کہ شاہبت ہر چیز میں نہیں ہوتی۔ زمین کے اوپر آسمان کے نیچے دانہ پانی والے ہونے ریل موٹر پر سوار ہونے میں مشابہت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ شعار یعنی مختص خصوصیتوں میں ہوتی ہے اور یہ خصوصیتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک ان کی دینی خصوصیت جیسے ہندوؤں کا زنار تو اس کی مشابہت پیدا کرنا تو کفر ہوتا ہے کہ اس سے ان کے مذہب کی تعظیم اور اسلام کی توہین ہوتی ہے جس کا کفر ہونا سب جانتے ہیں۔ دوسری قسم قومی شعار جیسے ہندوؤں کی بیضوی ٹوپی (فلٹ کیپ) انگریزوں کا ہیٹ تو اس کو استعمال کرنا کفر تو نہیں ہے گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے انکے دین کی تعظیم اور اسلام کی توہین نہیں ہوتی قوم کی تعظیم اور مسلمانوں کی توہین ہوتی ہے۔ مگر ہر خصوصیت اسی وقت تک ہی خصوصیت ہے۔ جب تک اس قوم کے ساتھ خاص رہے، جب وہ عام ہو جائے کہ دوسری قوموں اور ہر چھوٹے بڑے تک آجائے تو نہ خصوصیت باقی رہی نہ کفر و فسق۔ مگر چونکہ اسی سے نقل کی ہوئی ہے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ کراہت ضرور رہے گی۔ جیسے آج کل کوٹ پتلون بوٹ جوتا وغیرہ ہے۔

[4] یعنی اجنبی شخص دیکھے تو یہ سمجھے کہ شاید انہی میں سے ہے جب کہ وہ جانتا ہو کہ یہ ان کا مذہبی یا قومی شعار ہے۔ اور اگر یہ نہ سمجھے تو اس کو حیرت تو ہو کہ مسلمان ایسا کیوں کر رہا ہے۔

[5] مسلمانوں میں بہت سی عادتیں کافروں سے آگئی ہیں۔ کھانے پینے رہنے سہنے کے طور طریق آگئے۔

[6] نفس کو مارنے کے بعض طریقے۔

کثرت سے پھیل گئے کہ کسی عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں، یہ امور مذموم[1] نہیں ہو سکتے۔ قصۂ تطہیر[2] اہلِ قبا کا اس میں کافی حجت ہے۔

[1] گناہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ دوسری قوموں میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ جیسے میز کرسی صوفے قالین وغیرہ مگر جو عام نہیں ہوئے وہ گناہ ہی رہیں گے۔ گو یہ طریقے پھر بھی اسلامی نہ ہوں گے۔ انہی کی نقل سے ہیں کچھ کچھ خرابی باقی ضرور رہے گی۔ مگر ہلکی قابل برداشت۔

[2] قصہ یہ کہ مسجد قبا والوں کے بارہ میں آیت نازل ہوئی۔ فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطھرین (کہ اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاکی کرنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ خوب پاکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) حضور وہاں تشریف لے گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خوب پاکی کی تعریف کرتے ہیں، تم کیا کرتے ہو۔ عرض کیا پڑوسی یہودی پاخانہ سے نکل کر پانی سے پاکی کرتے ہیں ہم بھی کرنے لگے۔ یارسول اللہ اور کوئی بات معلوم نہیں، فرمایا۔ یہ وہی ہے۔ تم ایسے ہی کیا کرو تو یہودیوں کی بات عام ہونے سے حضور نے قبول فرمالی تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی تھی تو معلوم ہوا عام ہونے سے تشبہ خصوصیت کا نہیں رہتا۔

گو یہ ان کی خصوصیت نہ مذہبی تھی نہ قومی ان صاحبوں نے ان سے البتہ لیلی تھی۔ ورنہ ابوداؤد اور نسائی کی حدیثوں سے خود حضور کا یہ معمول معلوم ہو رہا ہے اور دوسرے صحابہ کا بھی مسند احمد کی حدیث میں جواب ان کا یہ تھا کہ "ہم نے تورات میں دیکھا" اور سابق شریعت کی بات جب کہ اسلام میں منسوخ نہ ہو باقی رہتی ہے۔ حضور نے باقی رکھنے کی ہدایت دیدی۔ کہ اسلام میں بھی تھی۔ گو پانی کم ملنے کے وقت اس پر عمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اہلِ قبا نے پابندی سے کیا تو تعریف ہوئی۔

خیر اتنا تو معلوم ہوا کہ عام بات تشبہ نہیں ہوتی۔ تو اگر یہ صورت بھی عام ہو تو تشبہ نہ ہوگی۔ فقہا نے بھی اسی کو بیان کیا ہے کہ عام تشبہ نہیں ہوگا کیونکہ خصوصیت نہ رہی۔ مگر یہاں تو نہ قدیم شریعت سے لیا ہوا ہے۔ نہ مسلمانوں میں عام سب کا عام جہاں ہوگا تشبہ نہ ہوگا کفر نہ ہوگا۔ یہ کام ان کا مذہبی کام تھا۔ عام ہونے سے تشبہ سے نکل گیا۔ مگر ایک کافرانہ مذہبی کام کی نقل ہونے سے مکروہ تو رہے گا اور اگر مسلمان ان کی طرح اس کو غیر اللہ کے تقرب کا ذریعہ بنائیں گے۔ تو پھر مشرک ہو جانا ظاہر ہے اور بعض لوگ اسی میں مبتلا ہوں گے اس لئے سختی سے روکنا ان کے دین کو بچانا ہے

البتہ جو ہیئات عام نہیں ہوئی، وہ موجب[1] تشبہ ہے اور ممنوع۔ پس یہ ہیئات مروجہ ایصال[2] کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارھویں حضرت غوث پاک قدس اللہ سرہ کی۔ دسواں۔ بیسواں۔ چہلم۔ ششماہی۔ سالیانہ۔ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ اور سمنی حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ اور حلوائے شب برات اور دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی[3] قاعدہ پر مبنی ہیں۔

اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئات[4]

---

[1] اگر خصوصیت مذہبی میں تشبہ ہے تو کفر اور خصوصیت قومی میں ہے تو فسق و گناہ ہے منع ہے

[2] ایصال ثواب تو کافروں میں ہے نہیں تو اس کے مشابہ ایصال نہیں ہو سکتا صرف سامنے رکھ کر پڑھ کر کسی کے نام کو دینا انکی نقل اور تشبہ ہو سکتا ہے۔ جو عام ہونے سے اگر عام ہو جاتے۔ مکروہ رہ جائے گا۔ اس کو کفر و بدعت نہ کہنا چاہئے۔ ہاں غیر اللہ کے تقرب کیلئے ہوں تو شرک ہیں۔

[3] کہ اصل میں تو نہ یہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب صرف جائز ہیں اور چونکہ اسلاف میں یہ چیزیں نہیں تھیں۔ ممانعت بھی مذکور نہ ہو سکی۔ اب اگر ان میں دن تاریخ ہیئات دو چار چیزوں کا جمع کرنا اور خود یہ ہر کام کرنا واجب بنا کر ہوگا عقیدہ میں یا عمل میں تو بدعت اور گناہ عظیم ہوگا اگر ضروری کر کے نہیں تو جہاں واجب بنانے والے ہیں۔ وہاں ان کی مشابہت اور جواز کی سند بننے کا گناہ ہوگا۔ جہاں واجب کر کے کرنے والے نہ ہوں وہاں خالص نیت سے کبھی کبھی کوئی کرلے گا تو گناہ بھی نہ ہوگا۔ لیکن اگر ان افعال کے ذریعہ ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہوگا۔ تو اسلام میں صرف خدا تعالیٰ کا ہی تقرب بتایا گیا ہے۔ یہ غیر کا تقرب شرک بن جائیگا۔ ایسے وقت سب کا سب کو روکنا فرض ہوگا۔ اور چونکہ یہ سب افعال فرض و واجب نہیں ہیں۔ اب ان کو اصل سے ہی بند کرانا شرک سے بچانے کے لئے فرض ہوگا۔ اور سند وجوب بنانے میں بند کرانا واجب ہوگا، نہ روکنے والے بھی گناہگار ہوں گے۔ ہاں اگر ان سب صورتوں سے پاک ہوسکے تو نہ شرک نہ بدعت۔

[4] کیونکہ یہ ہیئات بے اصل ہے صرف ایصال ثواب ثابت ہے وہ ہر طرح ہر دن ہر ہیئات سے ہو سکتا ہے۔ اور ان قیدوں ہیئاتوں خصوصیتوں کو وجوب تک پہنچانا بدعت اور اس حد سے پہلے بھی جہاں وجوب سمجھنے والے ہوں ان کی مشابہت اور سند جواز بننے سے معصیت ہے۔ گو مکہ مکرمہ میں ایسے لوگ نہیں مگر احتیاطاً اس سے علیحدگی کی ہے

کا نہیں ہے۔ مگر کرنے والوں پر انکار[1] نہیں کرتا اور جو علماء آمد اس مسئلہ میں رکھنا چاہئے یعنی ہر دو فریقوں کا باہم مل جل کر رہنا اور مباحثہ[2] وقیل وقال نہ کرنا، اور ایک دوسرے کو وہابی[3] و بدعتی[4] نہ کہنا اور عوام کو غلو[5] اور جھگڑوں سے منع کرنا یہ سب بحث مولد میں گذر چکا[6]۔

---

[1] نیک گمان رکھ کر کہ مسلمان بے اصل چیزوں کو ضروری نہیں قرار دے سکتا اور نہ یہاں مکہ مکرمہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ان چیزوں کو واجب قرار دیتے ہوں۔

[2] کہ عوام کے سامنے جھگڑے کا سبب بن جاتا ہے۔ تنہائی میں ایک دوسرے سے معلوم کرنے میں جھگڑا نہ ہوگا۔

[3] عبدالوہاب نجدی جو اپنے فرقہ کے سوا دوسروں کو مسلمان نہ سمجھتا تھا اس کی طرف منسوب نہ کریں خصوصاً حنفی علماء کو کہ وہ تو حنبلی تھا یہ بالکل تہمت ہوگی حنفیوں کو ایک حنبلی کی طرف منسوب کرنا اس سے گناہ ہوگا

[4] کہ یہ بھی بعض دفعہ تہمت بن جائے گا۔ بدعت تو جیسے حدیث سے ثابت ہے غیر دین کو دین یا غیر واجب کو واجب بنانا ہے اور مسلمان ایسا کب کر سکتا ہے۔ بے تحقیق کسی کو بدعتی نہ کہہ دیا کریں خوب تحقیق سے کام لیں۔

[5] حد سے نکلنے سے کہ کسی وقت و تاریخ صورت شکل ہیئات دو چار چیزوں کو جمع کرنا اور اسی قسم کی ہر پابندی سے منع کریں جو عقیدہ یا عمل میں واجب بن جاتے اور جہاں لوگ واجب بنا کر کرتے ہوں وہاں بالکل نہ کریں ورنہ ان کی مشابہت اور لوگوں کے لئے جواز کی سند بننے کا گناہ ہوگا۔ اور کسی کام کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے تقرب کے لئے نہ کریں کہ یہ شرک بن جاتا ہے اور ایک دوسرے پر طعن نہ کریں کہ یہی جھگڑے کا سبب ہوتا ہے۔ حدیثوں میں بھی اس سے منع وارد ہے۔

[6] اس کے آخر میں آیا ہے وہاں مع حاشیہ کے دیکھ لیں اور یہاں بھی اس کو جاری کر لیں۔

تیسرا مسئلہ عُرس و سماع کا

لفظ عُرس ماخوذ اس حدیث سے ہے نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس[1] کی طرح آرام کر کیونکہ موت مقبولانِ الٰہی کے حق میں وصال محبوب حقیقی ہے اس سے بڑھ کر کون عروسی[2] ہوگی۔ چونکہ ایصال ثواب بروح اموات مستحسن[3] ہے خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں ان کا زیادہ[4] حق ہے۔ اِدھر

---

[1] دلہن۔ یہ ترمذی کی حدیث کا جزو ہے۔ ہر مومن نیک کردار کے لئے ارشاد ہے کسی کی خصوصیت نہیں مگر بزرگ لوگ اوّل نمبر پر اس میں داخل ہیں تو وہ عروس یعنی دلہن اور موت شادی عروس ہوئی۔ ممکن ہے بعد میں لوگوں کے جمع ہونے کو شادی میں جمع ہونیکی مانند رونق یا میلہ جیسا دیکھ کر عرس (شادی) کہنے لگے ہوں۔

[2] دلہن بننا یعنی شادی۔

[3] اچھا کام ہے گو فرض و اجب سنت مستحب نہیں مگر اچھا ہے کہ مرنے کے بعد عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے تو بہترین تحفہ ہے

[4] کیونکہ ان کا دینی احسان ہے اور احسان کا بدلہ احسان عقل ونقل سے ہونا اچھا کام ہے۔ گو سب سے بڑا حق دنیا و دین میں ماں باپ کا ہے اگر وہ مسلمان کی جگہ کافر بنا دیتے جیسے کافر لوگ اپنے بچوں کو بنا دیتے ہیں تو کیا ہوتا ہمکو ایمان کی سب سے بڑی دولت انہی کی بدولت ملی ہے اور سب کمالات اور فائدے وجود میں آنے سے ہوگئے اور وجود و پیدائش انہی کے طفیل سے ہے تو دین و دنیا کی سب بھلائیاں انھیں کی وجہ سے ملیں مکان جائداد یں طاقت قوت عقل سمجھ تعلیم سب ان کے ذریعہ ملا ہے۔ ان کا بھی احسان زبردست ہے مگر بزرگانِ دین کا بھی احسان بہت بڑا ہے اور گو وہ زیادہ ضرورتمند نہیں، عزیز اور دوسرے کم ہمّت مسلمانوں کو زیادہ حاجت ہے مگر احسان اور دینی احسان بھی بڑی چیز ہے۔ اُن کو بھی ہونا چاہیئے

—— لیکن ایک بات یہ بھی ہے کہ بزرگوں کو ایصال ثواب ہو ان کو بھی صرف اسی نیت سے ہو کہ ہم پر انکے احسانات ہیں اگر نیت یہ ہوگی کہ ان کا تقرب حاصل ہوگا تو خدا تعالےٰ کے سوا کسی کا تقرب حاصل کرنا جائز نہیں یہ ایک شرک کی صورت ہوجائے گی اور اگر یہ نیت ہو کہ وہ دعا کریں گے تو اوّل تو قبر والوں کا دعا کرنا یقینی نہیں پھر یہ دعا کی اُجرت یا رشوت کی صورت بن جاتی ہے اور اگر یہ نیت ہوگی کہ وہ خوش ہوکر ہمکو رزق یا اولاد دینگے تو اسمیں بھی شرک کی بو آجاتی ہے اور رشوت یا اُجرت ہونا الگ اسلئے احسانات کے بدلہ احسان و تحفہ چاہئے صرف یہی نیت ہو

اپنے پیر بھائیوں سے ملنا موجب[1] ازدیاد محبت و تزاید برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش[2] میں مشقت نہیں ہوتی۔ بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ ان میں جس سے عقیدت ہو اس کی غلامی اختیار کر لے اسلئے مقصود[3] ایجاد رسم عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہوجاویں، باہم ملاقات بھی ہوجاوے اور صاحب قبر کی رُوح کو قرآن[4] وطعام کا ثواب بھی پہنچایا جاوے یہ مصلحت ہے تعیین[5] کے

---

[1] اسلئے ملنا محبت و برکت کی زیادتی کا ذریعہ ہے۔ اور چونکہ اسے بعض اللہ کے تعلق کی وجہ سے ہے اسلئے یہ حب فی اللہ ہوگا۔ جس کی حدیثوں میں فضیلت آئی ہے۔ اور گو وہ محبت دور رہ کر بھی ہوتی ہے اور دوسرے وقتوں میں ملنے سے بھی زیادہ ہوتی اور بار بار ملنے سے اور زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ مگر اس ایک دم سب سے ملنے میں بھی کچھ نہ کچھ تو بات محبت کے زیادہ ہونے کی ہوتی ہے۔

[2] ہر کام استاد سے حاصل کرنے میں جلد اور عمدہ ہوتا ہے تو شریعت پر عمل کے طریقت میں کیسا اتنے بھی یہ فائدہ ہوگا۔ اسی کو پیر کہتے ہیں۔ مگر اُستاد ماہر تلاش سے ملتا ہے۔ یہاں بھی تلاش سے ملے گا چونکہ عمر بھر کے لئے دین جیسی نعمت کے لئے راہبر تجویز کرنا ہے تو خوب خوب تقویٰ وطہارت سنت نبوی کا اتباع بُری عادتوں سے پاک اعلیٰ عادتوں سے مزین اور تمام حالات اوصاف واخلاق کی پرکھ کی ضرورت ہے اور وہ فوری ملاقات میں ہو نہیں سکتی۔ مدتوں پاس رہنے سے ہوگی۔ اگر بہت سے اپنے ہی سلسلہ کے صحیح بزرگوں کی اصلاح پرکھ ہوچکی ہے اور اب صرف ایک کا اختیار کرنا باقی ہے تو اس میں ایک دم ملاقات سب سے ہوسکے گی۔ اور گو مرید ہونا یا کرنا اصلاح نفس و درستی اخلاق و اعمال کا ایک معاہدہ ہے اور معاہدہ زبانی تحریری خط وغیرہ سے بھی ہوسکتا ہے کوئی روبرو ہونا ہی ضروری نہیں، مگر ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنا مستحب طریقہ ہے یہ سہل ہوسکتا ہے جبکہ پہلے سے سب تحقیق مکمل ہوچکی ہو۔ ورنہ خالی ملاقات کچھ ایسی مفید نہ ہوگی۔

[3] صرف آسانی کہ اگر اتنا ہی رکھا جائے تو قابلِ اعتراض زیادہ نہ ہوگا۔

[4] گو دور دراز جگہ سے ایصال ثواب کرنے میں اور مزار پر آکر کرنے میں شرعاً کوئی فرق نہیں۔ ایصال ثواب اپنی شرطوں کے موافق ہر جگہ سے برابر ہے اور خود ایصال ثواب بھی نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب صرف جائز ہے مگر اتنا گناہ بھی نہیں، جب تک اس کو زیادہ ثواب یا دوسری صورت میں ثواب کم یا بالکل ہی نہ ہونا نہ قرار دیں اور قرات وطعام کے جمع کو زیادہ ثواب اسکے بغیر کم یا بالکل نہ ہونا نہ سمجھیں ورنہ بدعت ہوگا۔

[5] صرف اسی سہولت کیلئے عارضی تعیین ہوتی ہے اس کو ضروری واجب کا درجہ نہ بنایا بدعت ہوجائیگی اور جہاں لوگ واجب کی طرح بنالیں گے یہ بھی گناہ بنجائیگا۔ کیونکہ یہ مقصود تو عارضی تعیین بے جلسوں اور تقریبوں کی طرح سے بھی حاصل ہوسکتا ہے

یوم ہیں۔ رہا خاص یوم وفات کو مقرر کرنا۔ اس میں اسرار[1] مخفیہ ہیں۔ ان کا اظہار ضرور نہیں چونکہ بعض طریقوں میں سماع[2] کی عادت ہے اس لئے تجدید[3] حال و ازدیاد شوق کے لئے کچھ سماع[4] بھی ہونے لگا۔ پس اصل عرس کی اسقدر[5] ہے۔ اور اس میں

---

[1] یعنی چھپے راز جو کسی صاحب کشف پر ظاہر ہوتے ہیں اس کے لئے ہی اس دن کی تعیین کی۔ اس کشف کے سال میں گنجائش ہے۔ نہ ہر دفعہ کشف ہوتا ہے نہ کشف دوسروں کے لئے ترجیح کی دلیل ہو سکتا ہے۔ نہ کسی کے لئے بھی شرعی دلیل ہے لیکن صرف صاحب کشف کو کشف کے وقت گنجائش ضرور رکھیگا۔ اور ظاہر ہے کہ نہ جمع ہونا واجب نہ تاریخ پر جمع ہونا واجب نہ کشف وجوب کی دلیل نہ دوسرے کے لئے کسی درجہ میں بھی معتبر تو اب اس کو عملاً ضروری سمجھ لینا بھی بدعت اور ایسے ماحول میں شرکت بھی بدعت کی شرکت ان کی مشابہت اور جواز کی سند کا گناہ بلکہ اس میں کافروں کے ذبے جشن دن یا برسی کی مشابہت ہوگی جو اُن کا قومی شعار ہے جیسے میلاد و بروز ولادت میں تشبہ ہے اس لئے یہ بھی گناہ ہوگا۔ جہاں واجب کا ماحول نہ ہو، کبھی کسی تاریخ کبھی کسی سے کوئی گناہ کی بات نہ ہو تو خیر۔

[2] یعنی عشقیہ اشعار کا گانا سننا جو ایک نفسانی جوش و خروش اور ذوق و شوق پیدا کرتا ہے بعض دفعہ سخت مجاہدہ سے قبض یعنی دل کی گھٹن ایسی شدید پیدا ہو جاتی ہے کہ اس وقت بعض آدمی خودکشی کر گزرتے ہیں۔ اور بعض کی جان نکل جاتی ہے۔ جان بچانے کے لئے ذرا دیر کے لئے چند شرطوں کے ساتھ اس نفسانی لذت کی طرف دھیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی جان بچ جائے کیونکہ جب کوئی دوا نہ رہے تو حرام دوا کی بھی شریعت نے گنجائش دی ہے وہ اس وقت ایسے معذور ہوتے ہیں جیسے سخت ترین بھوکا مردار کھانے کیلئے۔ ایسی مجبوری میں شرطوں کے موافق کی اجازت ہوگی بلا مجبوری نہیں۔

[3] حال کو نیا بنانے اور شوق کو زیادہ کرنے کے لئے کہ دل کی گھٹن دور ہو تجدید حال "تازہ" اور شوق ازمر نو ہو کر زیادہ ہو سکے۔ سماع کی اصل وجہ تو یہ تھی۔ اب نقل ہی نقل ہونے لگی ہے۔

[4] یہ قبض یعنی دل گھٹن کی شدت کے وقت ہونے لگا تھا۔ اس کو عام کرنا حلال نہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور اجماع و فقہ سے ہرگز نا حرام اور اس کا سننا بھی حرام ہے اور حرام جان جانے میں بچاؤ کی بقدر درست ہو سکتا ہے۔

[5] اگر اسی قدر رکھا جائے اور گانا عام اور تاریخ و اجتماع اور جمع قراءت و طعام وغیرہ کو مثل فرض واجب کے نہ بنایا جائے۔ اور وہاں عام کرنے والے ان کو واجب بنا لینے والے نہ ہوں۔ تو منع نہ ہوگا۔ کہ کبھی کبھی کوئی حاضر ہو کر ایصال ثواب کر لیا کرے۔

کوئی حرج[1] معلوم نہیں ہوتا۔ بعض علماء نے بعض حدیثوں سے بھی اس کا استنباط[2] کیا ہے، رہ گیا شبہ حدیث[3] لا تتخذوا قبری عیداً کا تو اس کے صحیح معنے یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں کرنا اور زینت و آراستگی و دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع[4] ہے کیونکہ زیارت[5] مقابر واسطے عبرت[6] اور تذکر[7] آخرت کے ہے نہ غفلت[8] و زینت کے لئے۔ اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا۔ وھذا[9] باطل

---

[1] ظاہر بات ہے کہ جب جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوا بالکل باقی نہ رہے تو ماہر کی تجویز سے حرام سے بھی علاج درست ہو جاتا ہے جیسے گلے میں کچھ اٹک جائے جان جانے لگے اور سوائے شراب کے کوئی چیز حلق میں اتارنے والی نہ ہو، تو اس قدر شراب جائز ہوگی کہ اس کو اتار دے اسی طرح یہاں بھی شرطوں کے ساتھ قبض شدید کے وقت اس قدر گانا سن لینا درست ہوگا۔ جس سے وہ گھٹن دور ہو جائے اور پھر حرام ہوگا یہ خطرہ نہ ہو تو حرام ہی ہے۔

[2] بلکہ قرآن شریف سے بھی شدید بھوک کے اضطرار میں مردار کھانے کی اجازت بقدر سد رمق ہے ایسے ہی جان کے خطرہ پر ہوگا۔ پھر نہ یہ حلال نہ وہ حلال غرض جان کے خطرہ میں اجازت ہے، اور خطرہ بھی ماہر کی نظر میں ہو،

[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری قبر کو عید نہ بنانا۔

[4] ہر وہ عرس حرام ہے جس میں میلہ خوشیاں زینت دھوم دھام ہو، یا اور کوئی گناہ یا غیر واجب کو واجب بنانا ہو۔

[5] قبروں کی زیارت خواہ بزرگوں کی قبروں کی یا عام مسلمانوں کی کہ اس فائدہ میں سب برابر ہیں۔

[6] کہ دنیا ہی عمل کی جگہ ہے پھر بے عمل ویسے بس جیسے یہ قبروں والے ہو گئے۔ ہمیشہ نیک عمل کی ہی ضرورت ہے۔ جو کام آسکے ورنہ پھر عمل نہ ہو سکے گا جیسے اب یہ عمل پر قدرت نہیں رکھتے۔

[7] آخرت کو خوب یاد کرنے کے لئے۔

[8] خدا اور اس کے احکام نبی اور ان کے ارشادات سے غفلت اور دنیوی زیب زینت جو میلوں کا خاصہ ہے

[9] اور یہ باطل ہے خود حضور نے فرمایا ہے کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی گویا اس نے مجھ پر ظلم کیا لہٰذا ہر طرح کا جمع ہونا منع نہیں۔ اہل مدینہ روزانہ اور باہر کے لوگ راستہ کی دقت سے بہت بہت مل کر ہمیشہ برابر قافلے جاتے ہیں کسی نے منع نہیں کیا اور یہ منع ہے کہ جمع ہونا سال بھر میں ایک بار عید کی طرح اور پھر بھول جانا اور یا میلہ سا کرنا منع ہے۔

پس حق یہ ہے کہ زیارت[1] مقابر انفراداً و اجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصال ثواب قراءت وطعام بھی جائز اور تعیین[2] تاریخ بمصلحت بھی جائز سب مل[3] کر بھی جائز رہا — رہا یہ شبہ کہ وہاں پکار کر سب قرآن پڑھتے ہیں اور آیت فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا[4] کی مخالفت ہوتی ہے، سو اولاً تو علماء نے لکھا ہے کہ خارج نماز کے یہ امر استحباب کے لئے ہے ترک مستحب پر اتنا شور و غل نامناسب ہے، ورنہ لوگوں کا مکاتیب[5] میں پڑھنا بھی ممنوع ہوگا۔ دوسرے کسی کو یہی تحقیق ہو کہ یہ وجوب عام ہے تو اصل عمل کے منع کرنے سے یہ بہتر کہ یہ امر تسلیم[6] کرایا

---

[1] قبروں کی زیارت الگ الگ یا جمع ہو کر اگر ضروری نہ مانا ہیں۔

[2] عارضی جیسے جلسہ جلوس تقریب کی ہوتی ہے یا دائمی مگر غیر ضروری غیر واجب کر کے ورنہ گناہ کا سبب ہوگی۔ بدعت بن جائے گی، اور جہاں لوگ واجب سمجھتے، وہاں مشابہت و سند جواز کا گناہ ہے

[3] کیونکہ جائز جائز مل کر بھی جائز ہی رہیں گے۔ لیکن اگر ان کو جائز کی حد میں نہ رکھا، واجب قرار دے لیا، عقیدہ میں یا عمل میں تو بدعت ہوگا، یا خود جائز رکھا، مگر ماحول واجب کرنے کا ہوگا تو گناہ بن جائے گا۔

[4] جب قرآن شریف پڑھا جا رہا ہو تم اس پر کان لگاؤ، اور خاموش رہو، کہ ہر ایک کو دوسرے کے سننے کا حکم ہے اور راجح فقہ حنفی میں یہ ہے کہ نماز میں بھی باہر بھی۔

[5] مکتبوں میں جو بچے قرآن شریف یاد کرتے ہیں۔ آواز سے پڑھتے ہیں اور دوسرے خاموش ہو کر نہیں سنتے، تو وہ بھی ممنوع ہوگا۔ مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ نماز کے باہر کا یہ حکم نہیں، گو یہ فرق ہوگا کہ قرآن مجید کی تعلیم کچھ فرض عین کچھ فرض کفایہ ہے، اور یہاں یہ کچھ نہیں، دوسرے نابالغ بچوں پر احکام واجب نہیں ہوتے اور بالغ کو بھی ادائے فرض میں رعایت ہوگی، مگر پھر بھی حکم سب کو واجب کا تو نہ رہا۔ گو اختلافی مسئلہ میں احتیاط بہتر ہو۔

[6] سب کو بتا دیا جائے کہ زور سے پڑھنے میں دوسروں کو خاموش رہنا واجب ہوتا ہے۔ اور اس میں ہر دوسرے نہ پڑھ سکیں گے، لہذا سب آہستہ آہستہ پڑھا کریں۔ اگر باوجود سمجھانے کے نہ مانیں تو روکنے کا حق ہو سکے گا۔ اول ہی منع کرنا ٹھیک نہیں۔

جاوے۔ یہی جواب ہے سوم[1] میں قرآن پکار کر پڑھنے کا البتہ جس مجلس میں امور منکرہ مثل رقص[2] مروج[3] و سجدہ قبور[4] وغیرہ ہوں اس میں شریک ہونا چاہئے[5]۔

رہا مسئلہ سماع کا یہ بحث از بس طویل[6] ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

---

[1] تیجہ کے دن کے پڑھنے کا ہے لیکن اگر اس کو بطور رسم پڑھیں گے اور اس خیال سے کہ وہ دوست یا عزیز برا مانے گا یا کل کو ہمارے یہاں کوئی نہ آئے گا تو خدا واسطے پڑھنا نہ ہوا نہ تو اب بلا، نہ ایصال ثواب ہے۔ وقت محنت صرف ضائع ہو گیا اور پڑھنے پر جو اجرت نقد یا مٹھائی یا چنے یا کھانا دیا جائیگا یہ قرآن فروشی کا کام بن لینے دینے والے — دونوں کو گناہ ہوگا۔ بجائے ایصال ثواب کے گناہ ملیگا۔ اور باوجود سمجھانے کے لوگ نہ مانیں تو منع کرنا ہوگا۔ کیونکہ ایصال ثواب فرض واجب سنت مستحب نہیں شعار دین نہیں اسکو خرابی کے بعد منع کرنا ہی دین کی بات ہے، اور تیسرے دن کو ہی ضروری سمجھیں تو بدعت یا واجب کے ماحول میں کریں گے تو مشابہت و سند جواز کا گناہ ہوگا۔ جلوس والے اپنی اپنی جگہ جتنا دل چاہے جب چاہے پڑھیں وہ صحیح ہے اور آہستہ آہستہ پڑھیں جہاں اور لوگ بھی ہوں [2] خلاف شرع ناجائز

[3] رواجی ناچ کہ صوفی لوگ یا دوسرے ناچنے لگتے ہیں، یا طوائف کا بھی ناچ کرایا جاتا ہے۔

[4] قبروں کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہوگا تو کفر و شرک ہے۔ بہ نیت تعظیم ہوگا تو حرام ہے۔

[5] شرکت بھی گناہ ہوگی، اگر خود بھی ان باتوں میں لگے تو گناہ ظاہر ہے نہ لگے تو ایسی مجلس کی شرکت جس میں گناہ ہو رہے ہوں گناہ ہے۔ ایسے ہی گناہ ہے اگر وہاں غیر واجب کو واجب یا ایسے ماحول میں کیا گیا ہو

[6] بہت لمبی بحث ہے۔ امام غزالی رح نے امام مالک امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور بہت سے علماء سے نقل کر کے کہا ہے کہ سب کا قول حرام ہونے کا ہے اور امام شافعی سے یہ بھی نقل کیا کہ یہ زندیقوں (یعنی بظاہر مسلمان اندر سے غیر مسلم لوگوں) نے گھڑا ہے۔ تاکہ قرآن مجید میں دل نہ لگنے دیں۔ مبسوط و محیط میں ہے کہ گانا بھی حرام اور اس کا سننا بھی حرام ہے۔ شاہ عبد العزیز کا فتویٰ ہے کہ جس نے گانے کو مباح کہا وہ فاسق ہے۔ بہت حدیثوں میں گانے اور سننے کی ممانعت ہے۔ گانے والی عورتوں اور جماعتوں پر لعنت ہے۔ مگر بعض نے چند شرطوں سے اور ہر ناجائز بات سے بچنے پر جائز کیا ہے۔ بلکہ بعض کے نزدیک جان کے خطرہ میں بھی جواز و عدم جواز کا اختلاف ہے۔ جن کے نزدیک اس خطرہ سے نکالنے کا اور بھی طریقہ ہو سکتا ہے وہ تو ناجائز کہتے ہیں۔ اور جن کے نزدیک اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا، وہ حالت اضطرار میں مردار کھا لینے کی طرح بقدر علاج خطرہ جائز قرار دیتے ہیں۔

کہ یہ مسئلہ اختلافی[۱] ہے۔ بسماع محض[۲] میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط[۳] جواز مجتمع ہوں اور عوارض مانعہ مرتفع ہوں تو جائز ہے ورنہ ناجائز کما[۴] فصلہ الامام الغزالی رحمۃ اللہ اور سماع بالآلات میں بھی اختلاف[۵] ہے

---

۱ گو اختلافی ہیں بچنا ہی احتیاط ہے۔

۲ بغیر باجوں کے اشعار کا گانا سننا،

۳ جائز ہونے کی شرطیں جمع اور ممانعت کی باتیں دور ہوجائیں۔

۴ جیسے کہ امام غزالی رہ نے مفصل لکھا ہے۔ اور امام غزالی نے پانچ شرطیں لکھی ہیں ۱ وقت وہ ہو کہ اس میں کوئی ضروری کام شرعی یا طبعی نہ ہو، اور جگہ راستہ و منکا مہ کی نہ ہو ۲ کوئی ساتھی دولت باطن سے بلے بہرہ نہ ہو جس کر ہوتا ہے۔ موجود نہ ہو، طریق سے ناواقف نہ ہو شہوت کا ہو، سب نفس شکستہ ہو علم و مسائل میں ماہر ہوں ۳ ہر چیز سے دھیان ہٹا کر اپنے باطن میں بے حس و حرکت لگا رہے ۴ جب تک ضبط کر سکتا ہو، نہ کھڑا ہو نہ چلائے ۵ کوئی مغلوب الحال کھڑا ہو جائے تو یہی ایسا نہ ہو کہ قبض شدید ہو کر اس کی جان نکل جائے، بشرطیکہ حال کے ختم پر وہ بیٹھ جائے۔ اور امام موصوف نے سماع کو حرام کرنے والی بھی یہ پانچ باتیں بتائی ہیں۔ ۱ گانے والی عورت یا حسین لڑکا ہو ۲ آلہ سماع مزامیر ہوں اور ہیجڑوں کا شعار ہو جیسے ہر قسم کے باجے یکتارا دوتارا ستار طبلہ ڈھول وغیرہ ۳ اشعار میں خد و خال قد و قامت محبوبان مجازی کے حسن و صفات کا ذکر نہیں کوئی اس پر فوڈ ھال سے جو حلال نہیں ۴ سننے والے میں قوت شہوانیہ اور جوانی کا جوش دوسری صفات پر غالب ہو کہ پھر شیطان دوسری طرف متوجہ کر دیگا ۵ سننے والا عامی نہ ہو اللہ کی محبت میں بالکل ڈوبا ہوا ہو، اور کوئی خواہش باقی نہ ہو،

۵ کہ جس پر قبض خطرناک حالت کا ہو اور خوش آوازی کے اشعار سے بھی دور نہ ہو تو جن کے نزدیک دوسرا علاج بھی ہو سکتا ہے۔ یہ خوش آوازی کے اشعار آلات یعنی ساز کے ساتھ حرام ہیں اور جن کے نزدیک دوسرا علاج اور نہ ہو تو مردار کھانے کی طرح اضطراری حالت میں صرف اتنا کہ اسکی جان بچ سکے جائز ہے۔ ورنہ امام ابوحنیفہ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح میں قرآن مجید اور ذکر رسول کو باجوں کے ساتھ کرنیکو کفر قرار دیا ہے اور رحمۃ مہداۃ میں بیہقی کی حدیث حضرت ابن عباس رض سے نقل ہے کہ ڈھولک حرام باجے حرام ڈھولک حرام بانسری غیر حرام ہیں اور بخاری و مسلم وغیرہ کی اور دوسری مبتہ حدیثوں میں حرام ہیں حتیٰ سماع حضرت تھانوی کا رسالہ دیکھ لیا جائے۔

بعض لوگوں نے احادیث منع کی تاویلیں[۱] کی ہیں اور نظائر فقہیہ[۲] پیش کئے ہیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ نے اپنے رسالہ سماع میں اس کا ذکر فرمایا ہے مگر آداب و شرائط کا ہونا یا جماع ضروری ہے جو اس وقت میں اکثر مجالس میں مفقود[۳] ہے مگر تاہم ع خدا[۴] پنج انگشت یکساں نہ کرد، بہر حال وہ احادیث[۵] خبر واحد ہیں اور محتمل[۶]

---

۱ کہ ان کی روایتیں ضعیف ہیں گو محدثین کے یہاں چند ضعیف مل کر قوی شمار ہو جائیں، اور بخاری و مسلم وغیرہ کی اور بہت حدیثوں میں حرام ہونا مذکور ہو، مگر مجبوری میں کہ جان جاتی ہو گنجائش مل سکتی ہے۔

۲ جن سے خلاف شرع باتوں سے خالی ہونے پر جواز معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کہ مضطر کو مردار کا کھانا، حلق میں نکڑا اٹک جانے مرنے کا خطرہ ہو کوئی حلال پتلی چیز نہ ہو تو شراب سے اتار لینا، لہذا قبض شدید میں بھی اسی طرح گنجائش ہے۔ اور پھر اختلاف میں بھی احتیاط لازم ہوتی ہے۔

۳ کم ہیں اس لئے اس زمانہ کی مجلسوں کے حرام ہونے میں شبہ نہ رہا، "جواہر غیبی" میں ہے۔ آج کل سماع جو بہ وقت صوفیوں کی عادت ہے عین وبال اور موقع انکار ہے۔

۴ خدا تعالیٰ نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں کی ہیں۔ اس لئے ممکن تو ہے کہ شاید یہ ایسے شدید قبض میں مبتلا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ شرطیں جائز ہونے کی سب جمع ہوں اور حرام ہونے کی ایک بھی نہ ہو اس لئے جب تک قوی دلیل سے معلوم نہ ہو جائے شک رہے گا جس کا فائدہ مجرم کو مل سکتا ہے۔ مغلوب الحال ہونے کا احتمال بھی ہے۔ بے تحقیق نہ کہنا چاہئے۔ ورنہ ہوش و حواس بجا ہوتے پر اگر جواز کی سب شرطیں بھی ہوں، ممانعت کی وجہ کوئی نہ ہو تو بھی حلال و حرام کے اختلاف میں بچنا واجب ہے، اور عوام و نو آموزوں کے ایمان کے بچاؤ بدعت و حرام کی مشابہت اور سند جواز کے گناہ سے بچنا بھی لازم ہے

۵ وہ حدیث جو صحابہ رض سے اب تک اتنے راویوں سے نہ آئی ہو کہ عقل ان کے جھوٹا ہونے کو محال سمجھے ایسی حدیث سے فرض یا حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا، واجب یا مکروہ تحریمی ہونا ہی ثابت ہوتا ہے گو مکروہ تحریمی عمل کے درجہ میں حرام ہی ہو۔ مگر آیت اور حدیث متواتر و مشہور سے تو اس کا درجہ کم ہوتا ہے اور ایسی خطرناک مجبوری میں گنجائش ان سے بھی ثابت ہو رہی ہے بغیر تحقیق حالات کچھ نہ کہنا چاہئے۔

۶ اور اگر حدیثیں قوی و صحیح بھی ہوں تو ان میں تاویل یعنی اور احتمال کی گنجائش ہے اس لئے یقینی ثبوت یعنی فرض یا حرام کا ثبوت نہیں ہوتا، کراہت ہو سکتی ہے۔ لیکن حرام قرآن مجید اور اجماع اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسے اوپر عرض ہو چکا ہے۔

تاویل گو تاویل بعید ہی ہو اور غلبۂ حال کا بھی[۱] احتمال موجود ایسی حالت میں کسی پر اعتراض کرنا از بس دشوار ہے۔

مشرب فقیر اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی رُوحِ مبارک کو ایصالِ[۲] ثواب کرتا ہوں۔ اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولد[۳] پڑھا جاتا ہے۔ پھر ماحضر[۴] کھانا کھلاو یا جاتا ہے۔ اس سب کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ اور زوائد[۵] امور فقیر کی عادت نہیں، نہ کبھی

۱؎ اور ایسے وقت ہوش وحواس باقی نہ رہنے پر شرعی دار و گیر نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہوش وحواس بجا ہوں تو بے شک حرام کام ہے۔ اس لئے تحقیق کر لینی چاہئے۔

۲؎ جیسے پہلے مسئلہ کے آخر میں آچکا ہے۔ بلا کسی قید و تخصیص کے اور مکہ مکرمہ میں ماحول بھی قیودات کو واجب قرار دینے کا نہیں۔ نیت کے خلوص عدم مشابہت عدم سند جواز بننے سے درست ہوتا ہے۔ اور ضروری سمجھنے کا تو شبہ ہی نہیں۔ نہ تاریخ کا معین ہونا۔

۳؎ بلا تخصیصات و قیودات و تداعی وغیرہ کے جیسے پہلے گزرا۔

۴؎ جو موجود ہو یعنی اس کی بھی کوئی تعیین نہیں کہ مٹھائی ہو یا کوئی اور متعین چیز جو حاضر ہوا پیش کر دیا۔ اور آنے والے نیک بھی ہوتے غربا بھی ہوتے تھے۔ جن کو کھلانے کا ثواب بھی ہوتا ہے۔ رواجی بات کوئی نہیں کہ تاریخ وفات ہو۔ بلا بلا کر جمع کیا جائے۔ دوستوں رئیسوں کو بلایا جائے جن کو کھلانا نہ ثواب ہو نہ ایصال ثواب ممکن ہو، قرآن خوانی الگ ایک عبادت پہلے ہوتی پھر شرعی مولود الگ۔ اس کے بعد پھر کھانا غریبوں نیکوں کو کھلانا الگ۔ کبھی یہ کبھی وہ نہ جمع لازم نہ الگ الگ لازم۔ ایسے ہی اور لوگ بھی گھر پر کیا کریں، عرس کی خرابیوں اور ایصال ثواب کی بدعتوں سب سے بچ جائیں۔

۵؎ نہ تاریخ وفات پر ہونے کا اہتمام بلکہ جب چاہا کر لیا۔ بلا دعوت دیے دئے کو بلانے کے بلا خصوصیت کسی کھانے وضع اور ختم فاتحہ وغیرہ کے یعنی بغیر ان سب پابندیوں کے جو لوگوں نے حضور صحابہ تابعین سے نقل ہوتے بغیر گھڑ رکھی ہیں۔ اور غریبوں کو کھلانا نہ کہ رئیسوں کو یا حکام کو۔ گو ان سب باتوں کو عقیدہ و عمل میں واجب کئے بغیر اور ایسی جگہ جہاں کا ماحول ان کے واجب قرار دینے کا نہیں مکہ مکرمہ میں اگر ان تخصیصات کو برت لیا جاتا تو گناہ نہ تھا۔ مگر آئندہ چل کر کہیں لوگ اس عمل سے ناجائز پر دلیل نہ لے لیں ایسا نہیں کیا۔

سماع[۱] کا اتفاق ہوا نہ خالی نہ با آلات۔ مگر دل سے اہل حال پر کبھی اعتراض[۲] نہیں کیا۔ ہاں جو محض[۳] ریاکار و مدعی ہو وہ بُرا، مگر تعیین اس کی کہ فلاں شخص ریاکار ہے ـــــــ یہ بلا حجت[۴] شرعیہ نا درست ہے۔ اس میں بھی عمل در آمد فریقین کا یہی ہونا چاہئے، جو اوپر مذکور ہوا کہ جو لوگ نہ کریں ان کو کمالِ اتباع[۵]

۱؎ کیونکہ وہ حرام تھا اور وہ مجبوری و اضطرار کی صورت جس میں شرطوں کے پائے جانے اور مانع باتوں کے نہ ہونے کے وقت جائز بھی بن جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ وہ قبض یعنی دل کی گھٹن کبھی پیش نہیں آئی۔ اور سماع خالی اور آلات مزامیر کے ساتھ دونوں ہی حرام ہیں مزامیر والا اور زیادہ حرام ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے مجبوری اور غیر مجبوری ہر حال میں بچا لیا۔

۲؎ اور نہ کرنا چاہئے تھا کیونکہ جن پر حال کا غلبہ ہو، ہوش وحواس سے باہر ہوں اور ایسے بزرگ کو ان کا مغلوب الحال ہونا محسوس ہو رہا تھا۔ تو جس کو غلبۂ حال محسوس ہو جائے اعتراض کرنا ہی درست نہیں ہوتا۔

۳؎ لوگوں کو دکھانے کے لئے اور بزرگی کا دعویٰ کرنے کیلئے کرنا یہ اس کا دھوکہ ہے۔ کہ خواہ مخواہ لوگوں پر اثر ڈالنے کے لئے بناوٹ کرتا ہے۔ جس کے ہوش حواس درست ہیں اس کے لئے حرام ہی حرام ہے اس کی دوکان تمام سب پر واجب ہے۔ کہ وہ مغلوب الحال لوگوں کو بھی بدنام کر رہا ہے۔

۴؎ جن لوگوں کو ایسی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل نہیں کہ وہ اس کا مغلوب الحال ہونا نہ ہونا معلوم کر سکیں۔ اور کوئی اور بھی شرعی دلیل اس کے ہوش و حواس درست ہونے کی نہ ہو جان کے خطرہ میں مبتلا ہونے کی نہ ہو تو ان کو اس وقت تک حسن ظن سے کام لینا چاہئے۔ تاکہ احتمال ہوتے ہوئے اعتراض نہ ہو اور جب ہوش و حواس بجا ہونا قبض اور خطرہ سے خالی ہونا معتبر دلیل سے معلوم ہو جائے بناوٹ اس کی ثابت ہو جائے تو پھر روکنا واجب ہو جائے گا۔

۵؎ پوری طرح سنت نبوی کا شوقین کہ جس پر تمام اولیاء اللہ نے سخت تاکیدیں اور وصیتیں کی ہیں حضرت غوث اعظم اور سب بزرگوں نے اتباع سنت کا حکم اور بدعتوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے خود حضرت حاجی صاحبؒ نے ضیاء القلوب ص۳۹ پر فرمایا ہے کلمات پند و نصیحت۔ طالب حق را باید کہ اول تحصیل مسائل ضروریہ بہ تصحیح عقائد فرقہ ناجیہ نماید و اتباع کتاب و سنت و آثار صالحہ باید بعد ازاں تزکیہ و تخلیہ نفس از رذیلہ شاید (طالب حق کو چاہئے کہ اول ضروری مسئلوں کو حاصل کرے مع تصحیح نجات والے فرقے کے عقیدوں کے کرے اور قرآن و حدیث اور نیکوں کے اثرات کی پیروی کرے اس کے بعد نفس کو عمدہ عادتوں سے زینت اور بُری عادتوں سے خالی کرنا چاہئے) اور فرقہ ناجیہ کے عقائد وہی ہیں جو اس حدیث سے میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ سب دوزخ میں ایک جنت میں جائے گا (باقی ص۵۶ پر ملاحظہ ہو)

سنت کا شائق سمجھیں جو کریں ان کو اہلِ[1] محبت میں سے جانیں اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں۔ جو عوام کے غلو[2] ہوں۔ ان کا لطف[3] و نرمی سے انسداد کریں۔

---

[1] یعنی مغلوب الحال کہ جن کے ہوش و حواس بے قابو ہوں معذور ہیں یا شرائط کے موافق اور گناہوں سے بچ بچ کر رہتے ہوں بشرطیکہ شریعت کے پابند ہوں۔ ان میں مقبولیت کے آثار ہوں نہ کہ ہر آوارہ کو یہ سمجھیں

[2] کہ سماع نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب بلکہ حرام ورنہ کم از کم حرام حلال کے اختلاف میں حرام سے بچنے میں ہی احتیاط ہے اور واجب یا کارِ ثواب قرار دینا سخت ترین گناہ ہے ایسے ہی عرس کہ ایصال ثواب ہر جگہ سے ہو سکتا ہے زیارت قبر عبرت کے لئے جائز ہے، مگر ایسا وقت مقرر کرنا کہ اس کے خلاف سے لعن طعن ہو گناہ ہے۔ اور سب کے یا ہیئت کے جمع ہونے میں ثواب نہیں زیادہ ہوتا۔ اور ہر وہ بات جو گناہ ہے اس کو مزار مبارک کے قریب کرنا بھی گناہ اور صاحب مزار کی تکلیف کا سبب ہے۔ ان سے تقرب حاصل کرنا شرک ہے۔ ان کو خود بخود دولت و اولاد دینے والا سمجھنا شرک ہے - - -

- - - - - - - ذبح کرنا ان کا اختلافی ہے۔ ثابت نہیں اس لئے سوائے زیارت اور دعائے رفع درجات و تلاوت چند آیات سب ناجائز باتیں ہیں۔ اگر ناجائز باتیں کیں تو اس وقت بھی گناہ ہوگا۔ اور اگلی نسلوں کے لئے یہ سلسلہ جاری رہ کر ہمیشہ گناہ ہوتا رہے گا۔ اور اس وقت بھی دیکھ دیکھ کر جو لوگ کریں گے ان کا بھی گناہ ہوگا۔ اس لئے سب کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہئے۔ حضرت تھانوی کا رسالہ حق السماع اس مسئلہ میں نہایت معتبر اور مفصّل مضمون ہے۔ اصلاح الرسوم میں بھی یہ دیکھا جا سکتا ہے۔

[3] مہربانی و نرمی سے سلسلہ بند کرائیں۔ اگر پھر بھی بند نہ کریں تو دوسرے ذریعے اختیار کرنے کی گنجائش ہوگی۔ مسلمانوں کی دینی خیرخواہی اسی میں ہے جیسے کہ مسلم شریف کی حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے جو تم میں سے خلاف شرع بات دیکھے اس کو طاقت سے بدل ڈالے ایسا نہ کر سکے تو زبان سے کہے یہ بھی نہ کر سکے تو دل میں اُسے بُرا جانے۔

[صفحہ ۵۵ سے آگے] صحابہ نے پوچھا۔ وہ کون سا ہے۔ فرمایا۔ وہ جو اس طریقہ پر ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ لہذا جسکے عقیدہ و عمل میں حضور اور صحابہ سے سند نہ ملے وہ نجات کا نہیں ہے۔ ہر مسلمان کو ہوش و حواس درست کر کے اپنے کو اس طریقہ کا تابع بنانا نجات کا راستہ ہے نہ کہ نئی نئی چیزیں گھڑنے کا۔ اور قرآن شریف کی بہت آیات میں سنت کی پیروی کا حکم ہے۔ لہذا جو بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کی سنت میں نہ ہو اس کو ترک کر کے سنت کی پیروی لازم ہے۔

چوتھا مسئلہ ندائے غیر اللہ کا

اس میں تحقیق یہ ہے کہ ندا سے مقاصد و اغراض مختلف[1] ہوتے ہیں کبھی محض اظہارِ شوق[2] کبھی تحسّر[3] کبھی منادیٰ[4] کو سنانا، کبھی اس کو پیغام[5] پہنچانا، سو مخلوق غائب کو پکارنا، اگر محض واسطے تذکّر[6] اور شوقِ وصال اور حسرتِ فراق کے ہے۔ جیسے عاشق اپنے محبوب کا نام لیا کرتا ہے۔ اور اپنے دل کو تسلّی دیا کرتا ہے۔ اس میں تو کوئی گناہ نہیں۔ مجنوں کا قصّہ مثنوی میں مذکور ہے:۔

دید[7] مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ[8] کاغذ بود و انگشتاں قلم — می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت[9] اے مجنوں شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں

---

[1] یا تو خطاب کرنا ہی مقصود ہوتا ہے یا خطاب مقصود نہیں محض دل کی بھڑاس نکالنا ہے شوق و مسرت یا رنج و حسرت ظاہر کرتا ہے۔ یونہی ندا دینا اور پکارنا ہے۔ مقصد کچھ نہیں بلکہ پکارنا بھی مقصود نہیں۔

[2] شوق ملاقات کو ویسے ہی ظاہر کرنا زبان سے کہنا بغیر کسی کو مخاطب بنائے۔

[3] رنج اور حسرت جدائی کی ظاہر کرنا کسی کو خطاب کرنا نہیں۔

[4] جس کو پکارا جائے اُسے کو سُنانا مقصود ہے اس لئے خطاب کرتا ہے۔

[5] اپنے دل کا یا کسی کا پیغام دینا ہے۔ اس لئے اُسے کو مخاطب بناتا ہے۔

[6] یاد کرنے

[7] مجنوں کو ایک جنگل میں گھومنے پھرنے والے نے دیکھا کہ اپنے غم کے میدان میں تنہا بیٹھا ہے

[8] ریت کاغذ تھا، اور انگلیاں قلم، کسی کو خط لکھ رہا ہے۔

پوچھا اے مجنوں عاشق یہ کیا ماجرا ہے، تم جو خط لکھ رہے ہو کس کو لکھ رہے ہو؟

گفت مشقِ نام لیلیٰ می کنم[1] ؛ خاطرِ خود را تسلی می کنم

ایسی نداء صحابہ سے بکثرت روایات میں منقول ہے[2] کما لا یخفیٰ علی المتبحر المتسع النظر ۔ اور اگر مخاطب[3] کا اسماع یعنی سنانا مقصود ہے تو اگر تصفیہ[4] باطن سے منادیٰ[5] کا مشاہدہ کر رہا ہے ، تو بھی جائز ہے ۔ اگر مشاہدہ

---

[1] بولا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں ، اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں ۔ تو جیسے وہ لیلیٰ لیلیٰ لکھتا اور کہتا تھا تو لیلیٰ کو خطاب کرتا نہ تھا ، دل کی بھڑاس نکالنا اور شوق اور نہ ملنے پر حسرت کرتا تھا ۔

[2] جیسے کہ علم کے دریا وسیع النظر لوگوں سے پوشیدہ نہیں اور آج بھی کل دنیا ایسا کرتی ہے کہ محبت و شوق اور جدائی و حسرت میں مردہ عزیزوں کو کہا جاتا ۔ (اے فلاں !) تو ایسا تھا یہ کرتا تھا وہ کرتا تھا تو اس سے خطاب مقصود نہیں ہوتا یا تصور کو ذہن میں جما کر خطاب بھی کر لیتا ہے مگر یہ جانتا ہے کہ نہ اس تک بات پہنچے گی نہ خبر ہوگی ۔ اس میں گو بظاہر خطاب ہے مگر حقیقت میں اظہار شوق یا حسرت ہی ہے پکارنا سنانا نہیں یہ سب جائز ہے ۔

[3] تصور کو خطاب نہیں خود ذات کو سنانا مقصود ہے اور وہ ذات رُوبرو نہیں تو تین صورتیں ہوں گی یا غیر اللہ کی ذات کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ موجود سننے والا دیکھنے والا جاننے والا سمجھ کر ہے تو یہ شرک ہے اور[4] اگر ایسا نہیں تو پھر اگر یہ شخص صاحب کشف ہے جس کی ظاہری علامت انتہائی تقویٰ و طہارت بھی ہوتی ہے اور وہ تصفیہ باطن سے مشاہدہ کر رہا ہے ۔ اس وقت کشف ہو رہا ہو ، درمیان کے حجابات اٹھ گئے ہوں ۔ کیونکہ نہ ہر وقت کشف ہوتا ہے نہ ہر ایک کو ہوتا ہے ۔ بہرحال اگر ہو ۔ تو ذات روبرو ہے ۔ خطاب جائز ہے اگر[5] مشاہدہ نہیں کر رہا ہے مگر سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے آواز ان تک پہنچ سکتی ہے ۔ تو اگر کسی شرعی دلیل قرآن و حدیث اجماع و قیاس مجتہد سے بھی ثابت ہو کہ ان تک یہ آواز کوئی پہنچا دے گا ۔ تو صحیح و جائز ہے ۔ مگر دلائل شرع سے سوائے حضورؐ پر صلوٰۃ و سلام کو ملائکہ کے پہنچانے کے اور کسی بات کا پہنچانا کسی کو بھی ثابت نہیں تو یہ گناہ ہوگا ۔ اس سے بچنا لازم ہے ۔ کیونکہ صرف درود و سلام ہی پہنچتے ہیں ۔ تو اب خطاب کرنے میں ہر جگہ موجود یا ہر جگہ کا علم رکھنا ماننا ہوگا ، جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خاص ہے ۔ دوسرے کے لئے ماننا شرک بن جاتا ہے اگر یہ نیت نہ ہو تو اگر وہاں کچھ لوگ اسطرح کسی نبی یا ولی کو موجود یا علم رکھنے والے سمجھتے ہوں گے ۔ تو وہاں آواز سے اس طرح خطاب کرنا مشرک کی مشابہت اور دوسروں کے واسطے سند جواز بننے کا گناہ ہوگا ، بلکہ تا قیامت آئندہ نسلوں کے لئے بھی سند بننے کا گناہ ۔

[4] مجاہدہ و ریاضت سے باطن کی صفائی و روشنی سے

[5] جس کو ندا دی جاتی ہے یا خطاب کیا جاتا ہے اس کا ۔

نہیں کرتا لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو یہ خبر پہنچ جائے گی ۔ اور وہ ذریعہ ثابت بالدلیل[1] ہو تب بھی جائز ہے مثلاً ملائکہ کا درود شریف حضور اقدس میں پہنچانا احادیث سے ثابت ہے ۔ اس[2] اعتقاد سے کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے کچھ مضائقہ نہیں اور اگر نہ مشہود[3] ہو نہ پیغام پہنچانا مقصود ہو نہ پیغام[4] پہنچنے کا کوئی ذریعہ دلیل سے موجود ہو وہ ندا ممنوع[5] ہے مثلاً کسی ولی کو دور سے ندا کرنا اس طرح کہ اسکو سنانا[6] منظور ہے اور وہ روبرو[7] نہیں نہ ابھی تک اس شخص کو یہ امر ثابت[8] ہوا کہ انکو کسی ذریعہ سے خبر پہنچیگی یا ذریعہ متعین[9] کیا مگر اس پہ کوئی دلیل شرعی قائم نہیں ، یہ اعتقاد افتراء[10]

---

[1] شرعی دلیل قرآن حدیث اجماع اور قیاس مجتہد ہے کہ ان چار دلیلوں کے علاوہ کوئی شرعی دلیل نہیں نہ کشف نہ الہام اور حکایات و تاریخ کے واقعات تو بالکل ہی دلیل نہیں بلکہ خود بے ثبوت ہیں ۔

[2] صرف اس عقیدہ سے کہ جیسے حدیثوں میں ہے فرشتے حضور کو درود و سلام پہنچا دیتے ہیں ۔ نہ کہ اس عقیدہ سے کہ حضور ہر جگہ سے خود سنتے ہیں ۔ کہ وہ بے اصل اور شرک کے قریب ہے مگر جہاں لوگ ہر جگہ سے سننے دیکھنے کے عقیدہ سے کہتے ہوں وہاں آواز سے یہ کہنا ان کی مشابہت اور سند جواز بن کر گناہ ہوگا ، وہاں یا نہ کہے یا آہستہ کہے ، یا ذہن میں تصور لے کر آہستہ کہا کرے ۔

[3] مشاہدہ میں نہ ہو تو تصفیہ باطن سے نہ ویسے روبرو ہونے سے

[4] نہ پیغام پہنچانے کا ذریعہ نہ ہونے سے پیغام پہنچانا مقصود ہو کر ذریعہ پر کوئی شرعی دلیل نہیں ۔

[5] گناہ ہے وجہ آگے آتی ہے کہ شرک کے قریب ہے ہرگز ایسا نہ کریں نہ آواز سے نہ آہستہ ۔

[6] خطاب کرنا ۔

[7] ویسے ہی سامنے یا باطن کی نورانیت سے درمیان کے حجابات اٹھ کر سامنے نہیں یا کشف نہیں ۔

[8] کہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں ۔

[9] ذریعہ خود فرض کر لیا بلا دلیل ۔

[10] اللہ تعالیٰ پر تہمت باندھنا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ نے کہیں فرما دیا ہے کہ ہم تمہاری ندا پکار ان کو پہنچا دیا کریں گے ۔ اگر اس خیال کے ساتھ ہو کہ وہ خود تو نہیں معلوم کر سکتے ، مگر اللہ تعالیٰ پہنچا دیتے ہیں ۔ حالانکہ سوائے درود و سلام کے اور کسی کا وعدہ نہیں ۔ یہ تہمت سخت گناہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۝

[اس سے زیادہ ظالم اور کون ہے جو خدا تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے]

علی اللہ اور دعوائے[1] علم غیب ہے بلکہ مشابہ شرک[2] کے ہے مگر بے دھڑک اس کو شرک وکفر کہہ دینا جراءت[3] ہے کیونکہ اللہ تعالے اگر اس بزرگ کو خبر پہنچا دے ممکن ہے اور ممکن[4] کا اعتقاد شرک نہیں، مگر چونکہ امکان کو وقوع لازم نہیں اسلئے ایسی ندائے لایعنی[5] کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ جو ندائے نص[6] میں وارد ہے۔ مثلاً یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَغِیْثُوْنِی[7] وہ بالاتفاق جائز ہے اور یہ تفصیل حق عوام[8] میں ہے اور جو اہلِ خصوصیت[9] ہیں ان کا حال جدا ہے اور حکم بھی جدا کہ ان کے حق میں یہ فعل عبادت[10] ہو جاتا ہے جو خواص میں سے ہوگا خود سمجھ لیگا بیان کی حاجت نہیں۔

لہ اور اگر خود بھی ہر جگہ کی بات کو جاننے کا خیال ہوگا تو ان کے لئے علم غیب ثابت کرنا ہوا جو خدا تعالے کے سوا کسی کے لئے ثابت کرنا شرک کی صورت ہے لایعلم الغیب الا ھو (علم غیب سوائے خدا تعالے کے کوئی نہیں جانتا)

۲ہ ۳ہ مولد کے بیان میں حاشیہ میں تفصیل پیش کی جا چکی ہے یہاں مطلب یہ ہے کہ علم ذاتی یا کسی کے دیئے ماننا تو شرک ہے اور دیا ہوا ماننا گر بعض بعض کا یعنی حق ہے وحی والہام بھی ہے اور ازل سے ابد تک ہر ہر چیز کا ماننا بھی فقہا نے مشرک بتایا ہے بشرطیکہ کہیں معتبر غلط فہمی نہ لگ گئی ہو اس لئے ہر غیب کو شرک کہنا غلط اور بیجا جراءت ہے۔

۴ہ ممکن کے ممکن ہونے کا اعتقاد حق ہے شرک نہیں، اور اس کے واقع ہونے کا اعتقاد بے اصل بلا دلیل ہونے سے گناہ ہوگا، مگر شرک نہ ہوگا، اور کسی صفت الٰہی میں شرکت ہوگی تو کھلا شرک ہے یا قرآن وحدیث کے قطعی حکم کے خلاف ہوگا۔ تو کفر ہے۔ جیسے ہر نبی کا نبی ہونا عقلاً ممکن ہے مگر قطعی حکم کے خلاف ہونے سے کفر ہے اور حکم کے موافق ہونے سے فرض ہے۔

۵ہ بے فائدہ عمل کہ جب کوئی دلیل اس کی نہیں کہ ان کو آواز پہنچائی جاتی ہے گی تو یہ اعتقاد غلط ہے گناہ ہے، بلکہ مشرک ہے اگر یہ ہر بات میں مانا گیا ہے۔ ۶ہ حدیث شریف

۷ہ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو' یہ جائز ہے کیونکہ اللہ کے بندے فرشتے جن کے متعلق تکوینی (جو عام انسان کے اختیار سے باہر ہیں) انتظامات کیلئے مقرر ہیں جگہ جگہ موجود رہتے ہیں۔ سنتے ہیں، کام انجام دیتے ہیں۔ چونکہ یہ حدیث سے معلوم ہے۔ گو وہ ہم کو نظر نہ آئیں ان کو موجود ہونیکی وجہ سے خطاب کرنا درست ہے الٰہ پر دوسروں کو قیاس کرنا بے اصل بے دلیل ہے غلط ہے ۸ہ اللہ تعالیٰ کا قوی نسبت رکھنے والے ہیں ان کا حال ہی اور ہے ۹ہ ان کو باطن کی صفائی سے سامنے نظر آتے ہیں ان کا ان سے باتیں کرنا اور باطن کا فیض نسبت کی قوت کے لئے مدد لینا عبادت کی عمدگی کا ذریعہ اور عبادت بن جاتے ہیں۔

یہاں سے معلوم ہوگیا حکم وظیفہ یا[1] شیخ عبد القادر شیئاً للہ کا، لیکن اگر شیخ کو متصرف[2] حقیقی سمجھے تو منجر الی[3] الشرک ہے۔ ہاں اگر صرف وسیلہ[4] وذریعہ جانے

لہ اس وظیفہ میں دو باتیں تحقیق طلب ہیں۔ ایک تو یا کہہ کے خطاب کرنا، دوسرے ان سے مانگنا ترجمہ اس کا یہ ہے اے شیخ عبد القادر اللہ کے واسطے کچھ دیجئے، تو پہلی بات ندا دینے کی تو اوپر کی تقریر سے حل ہوگئی کہ تصفیہ باطن والے کو روح مبارک بطور کرامت یا رفع حجابات مشاہدہ میں آتے گی تو اس کو پکارنا جائز ہے۔ اور دوسرے لوگ جو ایسے نہیں ان کے لئے سخت گناہ ہے، اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو آواز پہنچا دیتے ہیں۔ تو یہ خدا تعالیٰ پر بہتان ہے جس کو قرآن میں ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہے کہ وہ ہر جگہ سے ہر بات سنتے ہیں تو علم غیب کا ثابت کرنا اور اگر خدا تعالےٰ کی طرح ہر جگہ سے جاننا مراد ہے تو کھلا شرک ہے اور دوسری بات ان کا دے دینا ہے جو ان سے مانگا جا رہا ہے۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اور ہر صورت کا الگ الگ حکم ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو نہ ہو یہ دے سکتے ہیں۔ تو کھلا شرک ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ اللہ نہیں دے سکتے، یہی دے سکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کو مجبور بنانا ہے کفر ہے اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی دے سکتے ہیں مگر اب نہیں دیتے صرف یہی دیتے ہیں تو خدا تعالیٰ کو معطل قرار دیا یہ بھی کفر ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بھی دیتے ہیں۔ یہ بھی دیتے ہیں، یہ بے دلیل ہے گناہ ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ دیتے تو اللہ تعالےٰ ہی ہیں۔ ان سے مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دعا کر دیں تو اہل قبور کا دعا کر دینا یقینی نہیں اس لئے یہ بے ثبوت ہے اور گناہ ہے۔ لہٰذا ہر حالت میں یہ شرک اور کفر نہیں، ایک دو حالت صرف گناہ کی ہے۔ تو شرک کہہ دینا ہر صورت کو صحیح نہیں۔ اگر عقیدہ یہ ہو کہ دونوں کو اختیار ہے تو اگر خدا کے برابر یا زیادہ سمجھا تو شرک ہے اور یہ نہ سمجھا تو بے اصل ہے خدا پر بہتان ہے۔

۲ہ بذاتِ خود بلا اللہ تعالےٰ کی اجازت ومنظوری کے دینے والا سمجھے تو شرک ہے۔

۳ہ شرک کی طرف کھینچنے والا ہے ایسا سمجھے گا تو مشرک قرار دیا جائیگا لیکن مسلمان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ ایسا سمجھے اسلئے ایسا وظیفہ شرک تک پہنچا سکتا ہے اس سے بچنا بھی لازم ہے۔ گو بعض صورت شرک وکفر نہ ہو جیسے اوپر عرض ہوا

۴ہ خدا تعالیٰ تک دعا پہنچنے کا واسطہ وذریعہ سمجھے مگر اسکی دو صورتیں ہوں گی۔ ایک یہ کہ ان کا خدا تعالیٰ پر کوئی حق سمجھ کر ان کو واسطہ ذریعہ بناتا ہے تو چونکہ مخلوق کو خالق تعالیٰ سے قطرہ کو سمندر، ذرہ کو آفتاب کے جیسی بھی نسبت نہیں کسی کا خدا تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ایسا عقیدہ رکھنا گناہ ہے، دوسری صورت یہ کہ مانگنا حق تعالیٰ سے ہی ہے اور انہی کی صفت کو ذریعہ بناتا ہے اسطرح کہ اے اللہ یہ آپکے مقبول بندے ہیں اور آپ کو مقبولین اور انکی محبت والوں سے تعلق ہے، اس تعلق کے واسطہ سے جو آپ کی ایک صفت ہے دعا کرتے ہیں کہ ہم ان مقبولوں سے محبت والے ہیں ہم کو یہ عنایت فرما دیجئے یہ جائز ہے مگر یہ لفظ اس طرح واسطہ بنانے کو ظاہر نہیں کرتے وہم پیدا ہوتا ہے خود ان سے مانگنے کا اسلئے درست نہیں ہاں لفظ بدل دے یا الشیخ عبد القادر شیئاً یا اللہ (شیخ عبد القادر کے تعلق کی وجہ سے اے اللہ کچھ عطا فرمایئے) تو ان لفظوں میں ان معنے کی گنجائش نکل سکتی ہے ورنہ گناہ ہوگا۔

یا ان[1] الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے، کچھ حرج[2] نہیں، یہ تحقیق ہے اس مسئلہ میں۔ اب بعض علما اس خیال سے کہ عوام فرق مراتب نہیں کرتے۔ اس ندا سے منع کرتے ہیں ان کی نیت[3] بھی اچھی ہے۔ انما الاعمال بالنیات الحدیث مگر مصلحت یوں ہے کہ اولاً تو ندا کرنے والا اگر سمجھدار[4] ہو تو اس پر حسن[5] ظن کیا جاوے اور جو محض عامی جاہل ہو تو اس سے دریافت کیا[6] جائے، اگر اس کے عقیدے میں کوئی خرابی ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے اور اگر کسی[7] وجہ سے اصل عمل سے منع کرنا مصلحت ہو، بالکل[8] روک دیا جاوے لیکن ہر موقع پر اصل عمل سے منع کرنا مفید[9] نہیں ہوتا۔

---

[1] نہ پکارنا مقصود ہو نہ ان سے مانگنا مقصود ہو کسی سے سن کر یا غلط فہمی سے خالی ذہن ہو کر، بابرکت قرار دے کر پڑھتا ہے تو یہ شرک و کفر نہ ہوگا۔ مگر شرک کا وہم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو اللہ کے نام سکھائے جائیں اور اس کو غلط کے وہم سے بچائیں۔

[2] کفر و شرک نہیں؛ ہاں ان کے وہم پیدا کرنے کا گناہ ہوگا، اس سے بچانا چاہئے۔ روک دینا چاہئے تاکہ شرک والوں کی مشابہت سے بھی بچایا جائے۔

[3] بے شک سب عمل نیتوں سے ہی ثواب دیئے جاتے ہیں۔ حدیث ہے وہ شرک کے قریب بھی جانے سے بچاتے ہیں، یہ ثواب کا کام ہے۔

[4] کہ وہ ان کفر و شرک کی صورتوں سے بچا ہوا ہو، جبتک اسکی طرف سے شرک یا گناہ کی صورت نہ ہو بدگمانی نہ کی جائے؛ ہاں اگر ماحول شرک و کفر اور گناہوں کی صورتوں کا ہو تو مشابہت اور سد جواز بننے کے خطرہ کو بتا دیا جائے

[5] نیک گمان جیسے حدیث میں مسلمانوں کے ساتھ نیک گمان رکھنے کو فرمایا ہے۔ بشرطیکہ کوئی دوسری بات نہ ہو جو شرعی دلیل بن جائے۔

[6] کہ پکارنے میں کیا سمجھتا ہے اور مانگنے میں کیا۔

[7] اگر اصلاح کو وہ نہ مانے یا زبانی مان کر عمل نہ کرے یا کبھی کبھی خلاف کرے یا اس کو دیکھ کر دوسرے بگڑ جائیں

[8] تاکہ وہ مسلمان رہ سکے اور کفر و شرک میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کو جہنم کا ایندھن نہ بن سکے نہ گناہ میں مبتلا ہو سکے

[9] ٹھیک نہیں ہوتا ممکن ہے۔ وہ صحیح وسیلہ کے معنے سے کہتا ہو۔ پوری تحقیق کے بعد ہی روکنا صحیح ہوگا۔ اگر کفر و شرک اور گناہ بتانے کے بعد ضد ہو جب۔ اس کے اقرار یا دلیل سے یہ معلوم ہو تو روکنے کی ہر کوشش لازم ہے۔

ایک بات کہ وہ بھی بہت جگہ کارآمد ہے۔ یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عمل فاسد[1] میں مبتلا ہو اور یہ قرائن قویہ سے یقین ہو کہ یہ شخص اصل عمل کو ہرگز ترک نہ کریگا تو اس موقع پر نہ تو اصل عمل کے ترک کرنے پر اس کو مجبور کرے کہ بجز[2] فساد و عناد کوئی ثمرہ نہیں، نہ اس کو بالکل مہمل و مطلق[3] العنان چھوڑ دے کہ شفقت و اخوت اسلامی کے خلاف[4] ہے۔ بلکہ اصل عمل کی اجازت[5] دیکر اس میں جو خرابی ہو اس کی اصلاح کر دے کہ اس میں امید قبول اغلب[6] ہے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے۔ اُدْعُ[7] اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اور رسوم جاہلیت کے شیوع[8] کے وقت جو احکام شرعیہ مقرر ہوئے ہیں ان میں غور کرنے سے اس قاعدہ کی تائید[9] ہوتی ہے۔

---

[1] خلاف شریعت

[2] جھگڑا اور دلی دشمنی ہو کبھی مجبور نہ کریں، مسئلہ بتا دیں۔

[3] بیکار اور ڈھیلی باگ والا۔

[4] کہ ایک مسلمان بھائی کو اسلام سے ہٹتا دیکھ کر بالکل خاموش رہیں، یہ بھائی کے حق اور محبت و شفقت کے خلاف ہے۔

[5] یعنی اس سے چشم پوشی کر کے اس وقت خرابی کی اصلاح کر دیں تاکہ خلاف شرع پر ضد بھی نہ ہو۔ اور اس سے اصلاح کی توقع بھی ہو جائے۔ کیونکہ ایسے موقع پر جب ضد و عناد کا دور دورہ ہو امر بالمعروف واجب نہیں رہتا۔ [6] زیادہ غالب،

[7] اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت سے دعوت دو، یہ حضور کو حکم ہوا تھا تو ہم پر بھی یہ حکم ہے اسلئے تدبیر سے کام کیا جائے نہ کہ لٹھ مار دیا جائے۔ پھر دانائی اور خیر خواہی کے طریقہ پر ہو۔

[8] جاہلیت کی رسموں کے پھیلے ہوئے ہونے کے وقت

[9] کہ شراب کے حرام ہونے میں اول ہلکا پھر سخت اور پھر بہت سخت حکم آیا تھا اس سے یہ نکل سکتا ہے کہ اول بات ہلکی پھر سخت کہی جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ حکم احکام کے بتانے میں پہلے ۔ دو پھر زیادہ اور سب بتائیں، یہ تو بعض حکموں کا چھپانا ہوگا۔ (باقی صفحہ ۶۴ پہ دیکھئے)

مشرب اس فقیر کا یہ ہے کہ ایسی ندا میرا معمول[1] نہیں رہا۔ ہاں بعض اشعار میں ذوق و شوق سے صیغہ ندا برتا[2] گیا۔ اور علم در آمد وہی رکھنا چاہیے جو اوپر تینوں مسئلوں میں مذکور ہوا[3]۔

---

[1] کیونکہ شرک و کفر و بدعت والوں کی مشابہت اور سند جواز بننے کا خطرہ ہے گو کہ مکوہ ہیں ایسے لوگ نہ ہوں مگر دوسری جگہ بھی بات پہنچے گی۔

[2] کیونکہ وہاں پکارنا بھی مقصود نہیں۔ شوق و محبت یا رنج و حسرت کا اظہار ہے جیسے شروع میں یہ قسم جائز بیان کی گئی ہے۔

[3] کہ ذکر نہ کرنے والوں کا فعل اتباع سنت اور شرک و وہم شرک سے بچاؤ ماحول غلط کی مشابہت اور سند جواز بننے سے علیحدگی پر محمول ہو اور کرنے والوں میں احتمال عذر غلبہ حال اور مجبوری کا رکھیں جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے اس کو ہاتھ سے نہ دیں۔

[ازت ص ۶۳ سے آگے] اسلام کے مکمل ہو چکنے کے بعد یہ نہیں رہا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن سلام نے یہ سوچا تھا کہ یہودی اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے ہم بھی نہ کھائیں تو کیا حرج ہے کوئی زنی واجب تو نہیں ہے۔ اس پر عتاب نازل ہوا تھا اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (پورے اسلام داخل ہو جاؤ) اور پھر اس کو شیطانی کام فرمایا گیا ہے اور حضور کو حکم ہے بلغ ما انزل الیک (تبلیغ کیجئے تمام اس کی جو آپ پر نازل کیا ہو لہٰذا) حضور کو بھی نازل شدہ احکام میں سے کچھ پہنچانا اور کچھ روک دینا جائز نہ تھا۔ مگر کتاب والی آیت سے یہ ضرور ثابت ہے کہ عمدہ تدبیر کرنی ضروری ہے۔ اور لہجہ میں یہ نرمی چاہیے۔

پانچواں مسئلہ جماعت ثانیہ[1] کا

یہ مسئلہ سلف[2] سے مختلف فیہ ہے۔ امام ابوحنیفہ[3] رحمۃ اللہ سے کراہت و امام ابویوسف رحمہ سے بعض شرائط کے ساتھ جواز[4] منقول ہے۔ اور ترجیح و تصحیح دونوں جانب موجود ہے۔ اس میں بھی گفتگو کو طول دینا نازیبا ہے۔ کیونکہ جانبین کو گنجائش[5] عمل ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں قول میں یوں تطبیق[6] دی جاوے کہ اگر جماعت

---

[1] علامہ شامی نے راجح و مفتی بہ اسی کو قرار دیا ہے کہ جس مسجد میں اکثر نمازی متعین ہوں، کم کم دوسرے آتے جاتے رہتے ہوں وہاں تو دوسری جماعت حد مسجد کے اندر مکروہ ہے اور جہاں اکثر نمازی غیر متعین ہوں جیسے اسٹیشنوں بڑے شہروں کے چوراہوں اور بس اسٹاپوں کی مسجدیں وہاں دوسری تیسری جماعتیں حد مسجد میں جائز ہیں۔ لہذا اکثر نمازی متعین والی مسجد میں جماعت ثانیہ بجائے ثواب کے گناہ کا سبب ہے۔

[2] پہلے بزرگوں سے اختلافی ہے۔

[3] کراہت تحریمی فقہ میں نقل ہے۔ اور فقہاء نے اس کو ظاہر الروایت یعنی امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد تینوں کا مذہب قرار دیا ہے۔ شامی میں حدیث نقل ہے۔ کہ صحابہ الگ الگ پڑھا کرتے تھے۔ کعبہ شریف میں کئی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں (شامی)

[4] یہ ان سے ایک روایت ہے مذہب نہیں۔ جو ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں راجح نہیں مرجوح قرار پاتی ہے۔ فارسی رسالہ القطوف الدانیہ حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ مولانا رشید احمد صاحب کا رسالہ اس مسئلہ میں بڑا مفصل ہے اردو ترجمہ بھی چھپا ہوا ہے۔

[5] بہرحال ایک امام کی روایت تو وہ ہے گو غیر راجح پر فتوی دینا درست نہیں۔ مگر اس بیدینی کے دور میں اگر کوئی ضعیف قول پر بھی عمل کرے۔ تو سخت گرفت سے تو بچ سکتا ہے لہذا اس پر طعن نہ چاہئے خود کرنا نہ چاہیئے۔

[6] ایک کو دوسرے کے مطابق کیا جائے۔ علامہ شامی نے دونوں کی صورت اوپر عرض ہو چکی ہے کہ اکثر نمازی متعین ہوں تو مکروہ ورنہ جائز ہے۔

اولیٰ کاہلی اور سستی سے فوت ہوگئی ہے۔ اور جماعت ثانیہ میں شرکت سے منع کرنا، اس شخص کے لئے موجب زجر و تنبیہ[1] ہوگا تو اس کیلئے جماعتِ ثانیہ کی کراہت کا حکم کیا جاوے اور قائلین[2] بالکراہت کی تعلیل تقلیل جماعتِ اولیٰ سے یہی معلوم ہوتا ہے، اور اگر کسی معقول عذر سے پہلی جماعت رہ گئی تو دوسری جماعت کے ساتھ پڑھنا تنہا پڑھنے سے بہتر[3] ہے یا کوئی شخص ایسا لاابالی ہے کہ جماعت

---

[1] رکنے اور تنبیہ کرنے کا ذریعہ ہو۔

[2] مکروہ کہنے والوں کا یہ علت بیان کرنا کہ جماعتِ ثانیہ کے جواز سے پہلی جماعت کم ہو جائیگی۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوسری جماعت کو مکروہ قرار دینا سستی و کاہلی کو روکدے کہ پہلی جماعت کم نہ ہو پائے تو مکروہ ہے۔ ایسی نہ ہو تو مکروہ نہیں لیکن اگر یہ علت نہ ہو صرف حکمت ہو تو دوسری بات ہے، کیونکہ اصل مدار مسائل میں نقل پر ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف میں یوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ مصالحت کرانے تشریف لے گئے واپس تشریف لائے تو جماعت ہو چکی تھی حضور نے ساتھیوں کے ساتھ گھر پہ جماعت کی اور باوجودیکہ مسجد نبوی کی ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار ہے۔ پھر بھی مسجد کو چھوڑ کر گھر پہ پڑھنا اس کی دلیل ہے کہ اس کا خلل اتنا شدید ہے جس پر پچاس ہزار گنا ثواب ترک فرمایا گیا اگر مسجد میں جماعت دوسری مکروہ تحریمی نہ ہوتی تو حضور پچاس ہزار کے ثواب کو ترک نہ فرماتے۔ لہذا جائز طریقہ یہی ہے کہ مسجد یعنی جو حصہ نماز کے لئے خاص ہے اس میں دوسری جماعت نہ کی جائے مسجد سے باہر کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، چھت دار حصہ و صحن کے علاوہ سہ دریوں میں، وضوخانہ غسل خانہ کی چھت یا دوسری ضرورتوں کی جگہ درست ہے یہی حنفی تینوں اماموں کا مذہب اور اسی حدیث کے مطابق ہے مگر امام ابو یوسف سے ایک روایت جواز کی بھی ہے۔ گو راجح اور مفتی بہ نہیں ہو سکتی مگر ہے تو اس پر عمل کرنے والے کو مطعون نہ کرنا چاہئے کہ زمانہ کم شوقی کا ہے ـــــ اور جماعت کم ہونا تو مسلمانوں سے کاہلی و سستی سے ہی ہوتا ہے، جان بوجھ کر کوئی نہیں کر سکتا جب ہر ایک کو معلوم ہوگا کہ دوسری جماعت میں بھی جماعت کا ثواب بھی ملے گا اور مسجد کا بھی تو سستی پیدا ہو، خصوصاً اس زمانہ میں زیادہ ہوگا جماعت اصلی کم ہو جائیگی جماعت کم کرنے والی ہر بات مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

[3] گو دوسری جماعت مسجد کے اندر اکثر نمازی معین کرنے میں مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور مکروہ تحریمی بھی ترک واجب ہے۔ اور تنہا پڑھنے میں ترک جماعت ہے۔ اور جماعت گو حنفیہ کے نزدیک سنت موکدہ ہے مگر دوسرے اماموں کے نزدیک واجب ہے۔ دونوں برابر ہیں مگر جماعت کے (باقی صـ ۶۷ پر دیکھئے

ثانیہ سے منع کرنا اُسکے حق میں کچھ بھی موجب[1] زجر نہ ہوگا، بلکہ تنہا پڑھنے کو غنیمت سمجھے گا کہ جلدی سے چار ٹکریں مار کر رخصت ہوگا تو ایسے شخص کو منع کرنے سے کیا فائدہ[2]، بلکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے کسی قدر تعدیل[3] واطمینان سے ادا کرے گا۔

عمل درآمد اس مسئلے میں بھی ایسا ہی رکھنا چاہئے کہ ہر فریق دوسرے فریق کو عملی[4] بالدلیل کی وجہ سے محبوب[5] رکھے اور جہاں جماعت ثانیہ نہ ہوتی ہو وہاں تنہا[6] پڑھ لے، خواہ مخواہ جماعت نہ کرے۔ اور جہاں ہوتی ہو وہاں شریک

---

[1] روکنے کا سبب سستی اور غفلت کے۔

[2] کہ جماعت ثانیہ بھی مکروہ تحریمی اور جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی تو دونوں برابر رہے کیا فائدہ ہوا، البتہ اگر مسجد سے باہر جماعت ہو تو دونوں سے بچ سکے گا۔

[3] سنبھال سنبھال کر ادا کرنا کہ ہر ہر عضو ٹھہر ٹھہر جاتے۔ حرکت بند ہو جائے جو ہر نماز میں واجب ہے لیکن اگر تعدیل ارکان اور اطمینان سے پڑھنے کی عادت ہے۔ تو پھر اس کا تنہا یہ مکروہ تو جاتا رہا۔ اور جماعت ثانیہ کا مکروہ قائم رہے گا۔ پھر دونوں کام برابر کے نہیں ہوں گے۔ تنہا پڑھنا ہی افضل ہوگا۔ جماعت کے ثواب سے محرومی غفلت کی سزا ہوگی جماعت کرنا ہو تو اس حصہ سے جو نماز کے لئے خاص یعنی مسجد شرعی سے باہر متعلقات مسجد میں یا دوسری جگہ ہو تو مسجد کے ثواب سے محروم کا اس غفلت کی سزا ہوگی۔

[4] دلیل سے عمل کرنے کی وجہ سے گو ایک کی دلیل قوی، ایک ضعیف ہو، مگر بے سند سے زغنیت ہے۔

[5] بُرا نہ کہے۔

[6] کیونکہ خواہ مخواہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہوگا۔

(نوٹ صفحہ ۶۶ سے آگے) اور فائدے دنیا کے زیادہ ہیں۔ اور اگر باہر جماعت کرلی تو اس کا ثواب بھی ملا کراہت تحریمی سے بچا تو رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے موافق بھی ہوگیا۔

[7] بے پروا بے اہتمام ؛

ہو جاوے مخالفت[1] نہ کرے۔

یہ پانچ مسئلے تو عملی تھے اب دو مسئلے علمی[2] باقی رہ گئے ہیں وہ مرقوم ہیں۔

لہ بشرطیکہ یہ مقتداء نہ ہو۔ اس کے شرکت کرنے سے اس کے مکروہ نہ ہونے پر دلیل نہ لی جاتے ورنہ پھر اس کا شریک ہونا سند بلا کراہت نماز ہونے کی بن جائے گا اور کراہت کا گناہ اُس وقت کا بھی اور بعد کا اس پر بھی ہوگا اور مقتداء نہ ہونے میں اگر شرکت صورت ہی کرلی اور نیت جماعت کی شرکت کی نہ کی، تو شرکت و کراہت تو نہ ہوگی۔ لوگوں کے طعنہ سے بچ سکے گا۔ اگر اس فتنہ ہونے کا خوف ہو۔ ورنہ ہمت کی بات یہی ہے کہ حضور کی طرح مسجد سے باہر جماعت کرے۔ ورنہ تنہا ہی پڑھے۔

لہ عقیدہ کے ؛

چھٹا ساتواں مسئلہ امکانِ[1] نظیر و امکانِ[2] کذب کا

ان دونوں مسئلوں کی تحقیق[3] کا سمجھنا موقوف[4] علم حقائق پر ہے اور از بس[5] دقیق ہے۔ مگر مجملاً[6] دو چیزوں کا اعتقاد رکھنا چاہئے۔ ایک اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دوسرے سُبۡحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۝ یعنی اللہ

---

[1] یعنی کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر آپ کے جیسا انسان اور کوئی ہونا ممکن ہے یا نہیں۔

[2] حق تعالیٰ کے لئے کذب یعنی واقعہ کے خلاف کہہ دینا ممکن ہے یا نہیں۔ لیکن جب ان دونوں پر غور کیا جاتا ہے تو مطلب صاف یہ نکل آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو اس کی قدرت ہے یا نہیں کہ حضور جیسا اور کوئی پیدا کر سکیں، گو نہیں کریں گے اور کیا خدا تعالےٰ کو اس پہ قدرت ہے یا نہیں کہ خلاف واقعہ کے کوئی بات کہہ سکیں گو نہیں کہیں گے۔ یہ بات تو ساری امت کا عقیدہ ہے کہ حضور جیسا شخص قیامت تک کبھی نہیں آسکے گا، ولیسا دوسرا پیدا ہی نہ ہوگا، اور حق تعالےٰ کبھی کذب یعنی واقعہ کے خلاف نہیں فرمائیں گے۔ سوال اس کا ہے کہ یہ دونوں باتیں ممکن ہیں یا نہیں یعنی حق تعالےٰ کو ان دونوں پر قدرت بھی ہے یا نہیں کہ قدرت تو ہو مگر ایسا اپنے معمول و عادت اور وعدہ کے خلاف ہونے یا اس کے عیب ہونے کی وجہ سے نہیں کریں گے۔ یا بالکل ان پر قدرت ہی نہیں۔ ان سے بالکل عاجز ہیں۔

[3] تفصیل سے عقلی اور نقلی دلیلوں سے اس کو حل کرنا۔

[4] حقیقتوں کے علم پر موقوف ہے بغیر اس کے نہیں ہو سکتا، جس کے حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک ادنیٰ درجہ کی جو علوم ظاہری اور ان کے ضروری فنون کی مہارت کا ملہ ہے اور دوسری اعلیٰ درجہ کی ہے وہ علم لدنی ہے جو حق تعالیٰ کی نسبت کاملہ میسّر ہونے سے دل پر غیبی طریقہ سے سب کا سب کھل جاتا ہے اور یہ دونوں درجے ہر شخص کو میسّر نہیں آتے، بڑے بڑے ماہروں اور کاملوں کو حاصل ہوتے ہیں

[5] اور بہت باریک اور گہرے علم کی بات یہ ہے کم علم یا بے نسبت لوگ غلطیاں کر جاتے ہیں۔ اور گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے کم علم لوگوں کو اس کی تفتیش میں پڑنا خطرہ سے خالی نہیں۔

[6] مختصر طریقہ سے!

تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے مثل خلف[1] القول و اخبار[2] غیر واقع وغیرہما ان سب سے پاک ہے۔ رہا یہ تحقیق کرنا کہ کون چیز مفہوم[3] شئے میں داخل ہے کہ اس پر قادر کہا جاوے اور کون چیز عیب و نقصان سے ہے کہ اس سے تبرّیہ[4] کیا ہو جاوے سو جس جگہ دلائل متعارض[5] ہوں وہاں اس تحقیق کے ہم مکلّف[6] نہیں بلکہ بوجہ نازک ہونے ایسے مسائل کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں قیل[7] و قال اور زیادہ تفتیش کرنا عجیب نہیں کہ منع ہو۔ دیکھئے تقدیر کا مسئلہ چونکہ پیچیدہ و مجمع[8] اشکالات تھا اس میں گفتگو کرنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر سخت ممانعت فرمائی، سو اس ممانعت کی علت یہی دقّت[9] و اشکال ہے۔ سو ان دو مسئلوں میں بھی جب بوجہ تعارض[10] ظاہری ادلہ عقلیہ و نقلیہ کے اشکال شدید[11] ہے، تو

---

[1] اپنے قول کے خلاف کرنا کہ جیسے حضورؐ کو خاتم النبیین فرمایا، اب اور خاتم النبیین ہو گا تو حضورؐ خاتم نہ ہے یہ پہلے ارشاد کے خلاف ہوگا۔

[2] واقعہ کے خلاف بات کہنا، کذب یا جھوٹ کہنا، یا ان کے سوا اور کوئی عیب نقص کی بات

[3] کیا کیا شے کہلاتا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کیا کیا نہیں کہلاتا کہ اس پر قدرت نہ ہو تو شے مصدر بمعنی مفعول ہے جس پر مشیت الٰہی وارد ہو تمام ممکنات و موجودات وغیرہ ہیں۔

[4] بَری و پاک بیان کرنا چاہیئے۔

[5] دلیلیں ایک دوسرے کے خلاف ہوں،

[6] ذمہ دار نہیں، یہ ہمارے ذمہ نہیں ہے

[7] بحث و گفتگو

[8] طرح طرح کے اشکال جمع ہونے کی جگہ تھا

[9] باریکی

[10] عقلی و نقلی دلیلوں کے ایک دوسری کے مخالف ہونے کی وجہ سے جو ظاہر میں مخالف ہیں حقیقت

[11] مگر اس مختصر و اجمالی بات میں نہ کوئی دقت نہ اشکال۔ عام مسلمانوں کو (باقی صلہ پر دیکھئے)

قیل[1] و قال کرنے کی کیسے اجازت ہو گی، اسی[2] مضمون کا ایک خواب فقیر کے ایک متعلق نے دیکھا جس کو فقیر نے بہت پسند کیا،

---

[1] گفتگو، بحث و مباحثہ:

[2] کہ ایسی بحثوں میں نہ پڑا جائے جس میں دقت ہو اشکال ہو اور آدمی عامی ہو،

(نوٹ صفحہ سے آگے) بس ان دونوں آیتوں والے عقیدے رکھنے ضروری ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی بے انتہا قدرت ہر ہر چیز پر ہے تو ان دونوں پر بھی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں، کذب یعنی واقعہ کے خلاف بھی کبھی نہیں کہیں گے۔ سچی ہی بات فرمائیں گے اور آپ کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔ اب کوئی نبی پیدا نہیں فرمائیں گے۔ اس کے خلاف نہیں کریں گے۔ گو قدرت ہو کر یہ کرنا عیب ہے۔

اور ان دونوں حکموں میں اختلاف نہ سمجھا جائے بات یہ ہے کہ کسی کام یا بات پر قدرت ہونا الگ چیز ہے اور اس کا کرنا الگ چیز، قدرت ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس کو کیا بھی جائے، اگر کرنے میں عیب یا نقص ہو گا نہیں کریں گے۔ کہ ان سے پاک ہیں مگر عاجز نہیں ہوں گے۔ کیونکہ عاجز ہونا بھی عیب ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہیں۔ سہولت کیلئے یوں سمجھئے کہ ہر انسان کو چوری ڈاکہ غصب ظلم قتل مار دھاڑ، گالی دینا بدمعاشی کی قدرت تو ہے عاجز اور مفلوج نہیں ہے۔ مگر شریف نیک اولیاء انبیاء ایسا کرتے نہیں۔ کیونکہ گناہ ہے تو ان سب باتوں کا ان سے ہونا ممکن ہے۔ سب پر قدرت ہے مگر نہیں کرتے اور کمال یہی ہے کہ قدرت ہو پھر بری بات نہ کریں ورنہ اینٹ پتھر کا کیا کمال ہے کہ یہ چوری ڈاکہ زنا غصب ظلم قتل گالی گلوچ بدمعاشی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر کمال سے موصوف ہیں۔ اینٹ پتھر کی طرح عاجز نہیں، قدرت رکھتے ہیں۔ مگر نہ وعدہ کے خلاف کرتے ہیں۔ نہ کذب یعنی واقعہ کے خلاف کہتے ہیں۔ ان کی قدرت نہ ماننا تو عاجز قرار دینا ہے۔ جیسے ایک آدمی بیٹھا ہے اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ فرمائیں یہ بیٹھا پھر وہ کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کو اب بھی اس کہنے کی کہ بیٹھا ہے قدرت ہے یا نہیں۔ اگر کہو نہیں تو قدرت سلب ہونا کفر کا کلمہ ہے اور اگر قدرت ہے مگر کذب کا عیب ہونے سے نہیں کہیں گے تو یہ ایمان کی بات ہے یہی امکان کذب ہے اور عدم وقوع کذب بھی ہے یہی کمال اور عیب سے پاکی ہے۔

غلطی اس سے ہوتی ہے کہ لوگ قدرت ہونے کو کام کا کرنا قرار دے لیتے ہیں۔ یہ کھلی غلطی ہے۔ ورنہ ہر شخص کو قتل کرنے کی قدرت زنا کی قدرت چوری کی قدرت ہے اگر یہ قدرت ہی کام کا کرنا ہو، تو ہر شخص کو قتل زانی چوری کی سزا ملنی چاہئے کیسی کھلی بے سمجھی کی بات ہے۔

اس[1] سے بہتر کوئی عملدر آمد نہیں، اور جو طبع آزمائی کے لئے گفتگو ہی کرنا ضروری ہے تو زبانی خلوت میں ہو اور اگر تحریر کی حاجت ہو تو خط کافی ہے نہ کہ رسالے اور کتابیں اور اگر اسی کا شوق ہے، تو عربی عبارت ہونا چاہیئے تاکہ عوام خراب نہ ہوں، اور عوام کے لئے تو بالتعیین[2] سکوت ہی ضروری ہے۔ تمام ہوا بحمد اللہ جو کچھ[3] لکھنا تھا۔

---

[1] کہ بس اوپر کا اجمالی عقیدہ دونوں باتوں کا رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں مگر جو عیب و نقص ہو وہ کرتے نہیں۔ اور ہر عیب سے پاک ہیں۔ عاجز ہونا بھی عیب ہے اس سے بھی پاک اور عیب والی بات کرنا بھی عیب ہے۔ اس سے بھی پاک اور قدرت رکھنا کمال ہے تو وہ ہر کمال رکھتے ہیں اور قدرت بھی رکھتے ہیں۔

[2] صرف ایک معین بات جس کے سوا دوسری کسی بات کی گنجائش نہیں ان مسئلوں میں خاموش رہنا ہی ہے ورنہ کم علمی کی وجہ سے وہ غلطیوں اور گمراہیوں کا شکار ہو جائیں گے اور عجب نہیں کہ خدا تعالیٰ پر عیب لگا کر ایمان سے بھی خالی ہو جائیں۔

[3] یعنی پانچ عملی اور دو علمی مسئلوں پر جو لکھنا تھا۔ وہ بحمد اللہ تمام ہو گیا۔ اب آگے ایک وصیت اور مثنوی مولانا روم کے چند اشعار لکھ کر رسالہ ختم کر دیا جائے گا۔ پورا رسالہ ان اشعار پر ختم ہوتا ہے بعض چھاپنے والوں نے وصیت اور اشعار چھوڑ دیئے اور رسالہ ناقص کر دیا ہے جس ۱۸۹۶ء کے طبع شدہ نسخہ اور کلیات امدادیہ سے اس کے بعد ان کو درج کیا جاتا ہے۔

وصیّت

اور اس تمام تحقیق کے بعد بھی فقیر کی یہ وصیّت ہے کہ ظنیات[1] میں اپنے علم و تحقیق پر وثوق[2] نہ کریں۔ سورہ فاتحہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ[3] بہت خشوع[4] سے پڑھا کریں اور ہر نماز کے بعد رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا[5] پڑھ کر دعا کیا کریں اور اپنے اوقات معاش[6] و معاد[7] کے ضروری کاموں میں خصوص تزکیہ[8] نفس و تصفیہ[9] باطن میں صرف کریں اور اہل اللہ کی صحبت و خدمت اختیار کریں خصوص عزیزی مولوی[10] رشید احمد صاحب کے وجود با برکت کو ہندوستان میں غنیمت[11] کبریٰ و نعمت[12] عظمیٰ سمجھ کر

---

[1] گمان کی باتوں میں یا تسی سنائی میں؛

[2] بھروسہ نہ کریں پوری تحقیق شرعی کے بغیر حکم نہ لگائیں۔

[3] اے اللہ ہم کو سیدھے راستے کی ہدایت فرما۔

[4] دل کی شکستگی؛

[5] اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کیجئے

[6] زندگی کے کام۔

[7] آخرت کے کام۔

[8] نفس کو پاکیزہ کرنے اس میں اسلامی اخلاق عمدہ عمدہ عادتیں پیدا کرنے میں۔

[9] باطن کی صفائی کرنے میں غیر اسلامی اخلاق بری عادتوں سے پاک صاف کرنے میں کسی پیر کامل کی مدد و توجہ سے لگائیں [10] گنگوہ ضلع سہارنپور کے باشندے علوم دینیہ فقہ و حدیث میں بیمثال باطن کے بہت قوی النسبت بلند پایہ ولی اللہ حضرت کے خلیفۂ اعظم؛

[11] بڑی غنیمت کہ مفت کی زبردست نعمت ہیں ایسا ولی پیر ملنا مشکل ہے۔

[12] عظیم نعمت علم ظاہری و باطنی میں جن کے درس کی تقریر ترمذی شریف و بخاری شریف کی عربی میں طبع شدہ نہایت لاجواب ہے۔

ان سے فیوض[۱] و برکات حاصل کریں کہ مولوی صاحب موصوف جامع کمالات ظاہری و باطنی کے ہیں، اور ان کی تحقیقات محض للّٰہیت کی راہ سے ہیں ہرگز اسمیں شائبۂ[۲] نفسانیت نہیں۔ یہ وصیت تو مولوی صاحب کے مخالفین کو ہے، اور جو موافق اور معتقد ہیں، ان کو چاہئے کہ مولوی صاحب کی مجلس میں ایسے قصوں[۳] کا تذکرہ نہ کریں اور اپنے جھگڑوں میں ان کو شریک نہ کیا کریں، اور سب پر لازم ہے کہ مفت[۴] کی بحث و تکرار میں عمر عزیز کو تلف نہ کریں کہ یہ حجاب ہے محبوب حقیقی سے ؎

چہ[۵] خوش گفت بہلول فرخندہ خو ؎ چو بگذشت بر عارف جنگ جو
گریں[۶] مدعی دوست بشناختے ؎ بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۰

فقط

مہر

محمد امداد اللّٰہ
چشتی فاروقی

---

۱ ظاہری و باطنی فیوض و برکتیں دلوں کی روشنی ولایت کے درجے

۲ نفس کی خواہش کا میل بھی نہیں۔

۳ کہ فلاں یوں کہتا ہے فلاں یوں کہتا ہے بلکہ اپنی بری عادات پیش کر کر کے اصلاح کرانی چاہئے یہی اصل مقصد ہے طریقت کا اور حقیقی منشا ہے تقوی کا عمدہ عادات حاصل کریں تو کمال ہے

۴ بحث کرنے میں عمر ضائع ہوتی ہے ذکر میں یہ وقت لگے تو بہت کام بنے پھر یہ کام علما کا ہے وہ بھی حق بات کی تحقیق کے لئے نہ کہ فتنہ و فساد کے لئے۔

۵ حضرت بہلولؒ مبارک عادتوں والے بزرگ نے جب وہ کسی لڑنے جھگڑنے والے صوفی پر گذرے تھے، کیا اچھی بات فرمائی۔

۶ اگر یہ محبت الٰہی کا دعویدار دوست کو پہچان لیتا تو دشمن سے لڑائی جھگڑے میں مشغول نہ ہوتا، کیونکہ اتنی دیر کی غفلت کبھی برداشت نہ ہو سکتی۔

اشعار مثنوی معنوی در تمثیل[۱] اختلاف از حقیقت ناشناسی

پیل[۲] اندر خانۂ تاریک بود ؎ عرضہ را آوردہ بودندش ہنود
از[۳] برائے دیدنش مردم بسے ؎ اندر آں ظلمت ہمی شد ہر کسے
دیدنش[۴] با چشم چوں ممکن نبود ؎ اندراں تاریکیش کف می بسود
آں[۵] یکے را کف بخرطوم اوفتاد ؎ گفت ہمچوں ناودانستش نہاد
آں[۶] یکے را دست بر گوشش رسید ؎ آں برو چوں بادبیزن شد پدید
آں[۷] یکے را کف چو بر پایش بسود ؎ گفت شکل پیل دیدم چوں عمود

---

۱ حقیقت نہ معلوم کر سکنے کی وجہ سے اختلافات ہونے کی مثال میں مولانا رومیؒ کے اشعار مثنوی معنوی سے یعنی عام طور سے اختلاف حقیقت نہ معلوم ہونے سے ہوتے ہیں۔ اگر باطنی بصیرت حاصل ہو اور سب مسائل کی حقیقت روشن ہو جائے۔ جیسے کہ اس مثال میں ہے تو اختلافات و جھگڑے فساد نہ ہونے پائیں۔

۲ ایک ہاتھی ایک اندھیرے گھر میں تھا لوگوں کو دکھانے کے لئے ہندوستانی لوگ اسے لائے تھے

۳ اس کے دیکھنے کے لئے بہت سے آدمی تھے۔ ہر ایک اسی اندھیرے میں پہنچ پہنچ گیا۔

۴ جب کہ آنکھ سے دیکھ لینا تو ممکن نہ تھا، اس اندھیرے میں ہی اس پر ہاتھ پھیرتا تھا، ٹٹولتا تھا،

۵ ان میں سے ایک کا ہاتھ سونڈ پر جا پڑا، تو بولا اس کی ذات تو پرنالہ کی طرح ہے۔

۶ ایک کا ہاتھ اس کے کان پر پہنچ گیا تو ہاتھی اس پر پنکھے کی طرح ظاہر ہوا۔

۷ ایک کا ہاتھ جب اس کے پاؤں پر چلا تو کہنے لگا۔ میں نے ہاتھی کی شکل ستون جیسی دیکھی ہے۔

آں یکے بر پشت او بنہاد دست ۱ — گفت خود ایں پیل چوں تختے بدست
ہمچنیں ہر یک بجز وے چوں رسید ۲ — فہم آن می کرد ہر جا می تنید
از نظر گہ گفت شاں بد مختلف ۳ — آن یکے دالش لقب داد آن الف
در کف ہر کس اگر شمعے بدے ۴ — اختلاف از گفت شاں بروں شدے
چشم حس ہمچوں کف دست است وبس ۵
نیست کف را بر ہمہ آن دسترس!

(رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ)

تمت

---

۱ ایک نے اس کی کمر پر جو ہاتھ رکھا، بولا کہ یہ ہاتھی تو خود ایک تخت کی مانند ہے۔
۲ ایسے ہی ایک ایک اس کے ایک ایک جز پر جب پہنچا۔ اس کو وہ سمجھتا، اور ہر جگہ تنتا اکڑتا تھا۔
۳ نظر کی جگہ کی وجہ سے ان کی بات الگ الگ تھی، کہ ایک دال کہتا تھا۔ ایک الف، یعنی کوئی کچھ کوئی کچھ (ہر ایک کی نظر ایک ایک جگہ پڑ رہی تھی)
۴ اگر ہر شخص کے ہاتھ میں ایک ایک شمع ہوتی، تو اُن کی گفتگو سے اختلاف باہر ہو جاتا یعنی ایسے ہی اگر لوگوں کو باطنی بصیرت حاصل ہو تو ہر شخص غلو اور غلط فہمی سے بچ بچ کر حق بات پر پہنچ جائیں۔ لہذا باطن کی آنکھ سب کو حا.. ں کرنی چاہیے۔
۵ یہ حسی آنکھ بھی ہاتھ کی ہتھیلی کی ہی طرح ہے، فقط ہتھیلی کی ہی پورے ہاتھی پر پہنچ نہیں ہوتی، ایسے ہی ظاہری آنکھ کی حقیقتوں تک پہنچ نہیں ہوتی۔ آنکھ باطنی بصیرت کی ہی حقیقت تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ ہر غلو سے پاک اور ہر چیز کو اس کی حقیقت اور مرتبہ پر رکھ سکتی، بند ہو تو ان لوگوں کی نظر حسی ہے۔ کوئی کسی جز کو پورا دین سمجھ بیٹھتا ہے کوئی کسی کو!

تتمّہ وصیّت

خلفائے اعظم حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی وحضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) کی پیروی کا حکم حضرت قطب عالم حاجی صاحب قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ضیاء القلوب کے آخر میں فرمایا ہے:

ونیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ ومولوی محمد قاسم صاحب سلمہ راکہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری وباطنی اند بجائے من راقم اوراق بلکہ بمدارج فوق از من شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشاں بجائے من ومن بمقام اوشاں شدم۔ وصحبت ایشاں را غنیمت دانند کہ اینچنیں کساں دریں زمان نایاب اند واز خدمت بابرکت ایشاں فیضیاب بودہ باشند وطریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد از نظر شاں تحصیل نمایند انشاءاللہ تعالےٰ بے بہرہ نخواہند ماند۔

اللہ تعالےٰ در عمر شاں برکت دہاد واز تمامی نعمائے عرفانی وکمالات قربیت خود مشرف گرداناد وبمراتبات عالیات رساناد واز نور ہدایت شاں عالم را منور گرداناد وتاقیامت فیض اوشاں جاری داراد بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔ صفحہ ۷۵

ترجمہ

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ جو شخص اس فقیر سے محبت عقیدت اور مریدی

کا تعلق رکھتے ہیں، وہ مولوی رشید احمد صاحب سلمہٗ اور مولوی محمد قاسم صاحب سلمہٗ کو جو کہ تمام علوم ظاہری و باطنی کے کمالات کے جامع ہیں بجائے[1] مجھ راقم کے بلکہ مجھ سے بہت درجے اوپر شمار کریں۔ اگرچہ ظاہر میں معاملہ اس کا الٹا ہو رہا ہے کہ وہ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہو گیا ہوں (یعنی وہ مرید اور میں پیر ہوں)

اور ان کی صحبت کو غنیمت جانیں کہ اس زمانہ میں ایسے لوگ نایاب ہیں اور اُن کی بابرکت خدمت سے فیض حاصل کرنے والے ہوتے رہیں، اور سلوک کا طریقہ جو اس رسالہ (ضیاء القلوب) میں لکھا گیا ہے۔ اُن کی نگرانی میں حاصل کریں، انشاء اللہ محروم نہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان دونوں کی عمر میں برکت دیں اور تمام عرفانی نعمتوں اور اپنے قرب کے کمالات سے مشرف فرمائیں۔ اور اونچے اُونچے مرتبوں پر پہنچائیں۔ اور ان کی ہدایت کے نور سے سارے عالم کو نورانی[2] بنا دیں، اور قیامت تک ان دونوں کا فیض جاری رکھیں۔ بحرمت نبیؐ و آلِ پاکؓ۔

---

[1] اس سے ظاہری سجادگی و جانشینی نہ سمجھی جائے نہ ان دونوں بزرگوں میں سے کوئی صاحب بھی حضرت قطبؒ کی خانقاہ میں قیام پذیر ہوئے، نہ کسی نے ان کو سجادہ یا جانشین قرار دیا نہ ہمارے بزرگوں میں یہ رسم ہے کہ خواہ مخواہ سجادہ نشین بنائیں اہل ہو نہ ہو پگڑی باندھ کر بٹھا دیں۔ چنانچہ حضرت قطب عالم حاجی صاحب کے پیر میاںجی نور محمد صاحب تھانہ بھون کے مشرق میں تین میل فاصلہ پر قصبہ لوہاری میں قیام فرما رہے۔ مگر نہ حضرت حاجی صاحب نے سجادگی و جانشینی کے لئے وہاں قیام رکھا نہ حضرت حافظ محمد ضامن شہید نے نہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب نے یہ تینوں پیر بھائی اور خلیفہ تھانہ بھون ہی رہے نہ بعد میں ان کے خلفاء نے یہ رسم جاری کی۔ بلکہ معنوی جانشینی کمالات ظاہرہ و باطنی اور خدمت طالبین میں اپنے اپنے سہولت کے مقامات میں معروف رہے

[2] الحمد للہ یہ دعا خوب قبول ہوئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند مدرسہ قائم فرمایا جس سے لاکھوں علمائے دین علمی کمالات حاصل کر کے تمام عالم کو منور کر رہے ہیں۔ سیکڑوں مدرسے، سیکڑوں دینی کتب خانے لاکھوں کتابیں انہی تالیفات اسلام اور مسلمانوں کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ اور آج جو تمام دنیا کی سیاحت کر رہے ہیں وہ گواہی دے رہے ہیں کہ جس قدر علم و دیانت ان کے علاقوں میں ہے دنیا میں کہیں کے (باقی صفحہ پر)

(نوٹ صفحہ ۷۸ سے آگے) مسلمانوں میں اتنا نہیں ہے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے درس حدیث کے دو نمونے طبع ہو کر سامنے آ چکے ہیں۔ ترمذی شریف اور بخاری شریف کے درس کی تقریریں بے مثال علوم و معارف کے خزانے عجیب عجیب نکات و دقائق و حقائق پر مشتمل ہیں۔ عربی دان طبقہ آج فیض حاصل کر رہا ہے۔ اور بہت سے خلفا سلوک طے کر گئے ہیں جن میں حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب بواسطہ حضرت مولانا خلیل احمد شارح ابو داؤد شریف آپ کے سلسلہ ہی کے ہندوستان و پاکستان میں تبلیغی جماعت سے بے شمار لوگوں کی کایا پلٹ کرا چکے ہیں، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب جو حضرت قطب عالم حاجی صاحب کے خلیفہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو اپنا بزرگ قرار دیتے تھے۔ ایک ہزار تصانیف اور بہت خلفا اور دوسرے بہت حضرات علم و عمل کے دریا بہا رہے ہیں۔ اور حسب دعا اُمید ہے کہ انشاء اللہ تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد جو اسلام و اسلامیات کو نیست و نابود کرنا چاہا تھا، کتب خانے جلائے علما کو قتل کیا۔ ان بزرگوں کی بدولت پہلے سے کہیں زائد دین و دینیات اور دیندار ملنے لگے۔ ورنہ آج کوئی اسلام کی ایک بات بھی بتانے والا شاید نہ ملتا۔ جہاد کا جذبہ جو انگریزوں نے طرح طرح سے ختم کر دیا تھا، وہ انہی تعلیمات کی بدولت آج بھی جوش و خروش کے ساتھ ہر مسلمان کے اندر ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت رہے گا۔

مکتوبِ مبارک حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ

حضرت کی حیات ہی میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "البراہین القاطعۃ علی ظلام الانوار الساطعہ" تصنیف وطبع کرائی تھی جس میں تمام بدعتوں کے دلائل کا جو انوار ساطعہ کے مؤلف نے دیئے تھے قلع قمع فرمایا تھا۔ حضرت حاجی صاحب نے ایک معترض کے اس کتاب پر چھ ۶ اعتراضوں کا جواب تحریر فرمایا، جن میں سے دو اعتراض وجواب اس رسالہ سے بھی تعلق رکھتے ہیں وہ درج کئے جاتے ہیں مکتوب مبارک کی سند اور باقی تفصیلات البراہین القاطعہ کے آخر سے دیکھی جا سکتی ہیں، ان دو جوابوں اور کتاب کی تقریظ وتعریف سے بھی ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کا مسلک کیا تھا، آخر "ہفت مسئلہ" اسی کا اجمال ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ شرح اسی کی موافقت ظاہر کرنے کے لئے پیش کی گئی ہے۔

مکتوبِ مبارک

نحمد اللہ العلیم القدیر الدیان الذی کشف بمحض فضلہ علی من اصطفٰی من عبادہٖ حقائق العلوم والبیان ونصلی ونسلم علی عبادہ الذین اصطفٰی لاسیما علی اشرف الرسل والانبیاء سیدنا محمد المصطفٰی وآلہٖ واصحابہ النجباء الاتقیا

اما بعد از فقیر امداد اللہ چشتی فاروقی عفا اللہ بخدمت مولوی نذیر احمد خان صاحب بعد سلام تحیۃ اسلام آنکہ آپ کا خط آیا، مضمون سے مطلع ہوا۔ ہرچند کہ بعض وجوہ سے عزم تحریر جواب نہ تھا مگر بغرض اصلاح اور توضیح مطلب براہین قاطعہ بالاختصار کچھ لکھا جاتا ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ نفع پہنچا دے۔ ان ارید

الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ ٥

جوابِ اوّل واضح ہو کہ امکان کذب کے جو معنی آپ نے سمجھے ہیں وہ تو بالاتفاق مردود ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف وقوع کذب کا قائل ہونا باطل ہے اور خلاف ہے نص صریح ومن اصدق من اللہ حدیثا۔ وان اللہ لا یخلف المیعاد وغیرھا، آیات کے، وہ ذات پاک مقدس ہے شائبہ نقص وکذب وغیرہ سے رہا خلاف علما کا جو دربارہ وقوع وعدم وقوع خلاف وعید ہے جس کو صاحب براہین قاطعہ نے تحریر کیا ہے۔ وہ دراصل کذب نہیں صورتِ کذب ہے۔ اس کی تحقیق میں طول ہے۔ الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرتِ باری تعالیٰ ہے، یعنی اللہ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے۔ اس کے خلاف پر بھی قادر ہے اگرچہ وقوع اس کا نہ ہو، امکان کو وقوع لازم نہیں، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شے ممکن بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کو استحالہ لاحق ہو، چنانچہ اہلِ عقل پر مخفی نہیں۔ پس مذہب جمیع محققین اہل اسلام صوفیائے کرام وعلمائے عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔ پس جو شبہات آپ نے وقوعِ کذب پر متفرع کئے تھے۔ وہ مندفع ہوگئے، کیونکہ وقوع کا کوئی قائل نہیں۔ یہ مسئلہ دقیق ہے۔ عوام کے سامنے بیان کرنے کا نہیں۔ اس کی حقیقت کے ادراک سے اکثر ابنائے زمان قاصر ہیں آیات واحادیث کثیرہ سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ ایک ایک مثال قرآن وحدیث کی لکھی جاتی ہے۔ ایک جگہ ارشاد باری ہے۔ قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا الآیہ ٥ اور دوسری جگہ فرمایا۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم الآیہ ٥ آیت ثانیہ میں نفی وقوع عذاب کا وعدہ فرمایا، اور ظاہر ہے کہ اگر اس کا خلاف ہو تو کذب لازم آئے گا۔ مگر آیت اولیٰ سے اس کا تحت قدرت باری تعالیٰ داخل

ہونا معلوم ہوا۔ پس ثابت ہوا کہ کذب داخل قدرت باری تعالیٰ جل وعلیٰ ہے کیوں نہ ہو، وھو علیٰ کل شیءٍ قدیرہ احادیث کو دیکھئے کہ عشرہ مبشرہ مثلاً بالیقین جنتی بارشادِ نبوی جو حقیقۃً وحی الٰہی ہے ہو چکے، پر چونکہ صحابۂ کرام جانتے تھے کہ خدائے پاک مجبور نہیں، اس لئے نظر بقدرۃ وجلال کبریائی ڈرتے ہی رہے بلکہ خود سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات جن کی شان میں لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر ہے فرماتے رہے۔ واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم اوکما قال۔ واللہ تعالیٰ یحق الحق وھو یھدی السبیل ٥

جوابِ ثانی (چونکہ اس کا تعلق براہین قاطعہ سے نہیں ہے اس رسالہ سے نہیں، اس لئے درج نہیں کیا جاتا، براہین کے آخر میں سے دیکھا جاتے۔)

جوابِ ثالث اسی طرح صاحب براہین قاطعہ نے نفس ذکر میلاد کو بدعت ضلالت نہیں کہا۔ قیودات زائدہ محرمہ مکروہہ کو کہا ہے۔ اور نہ نفس ذکر و قیام کرنے والوں کو ہنود و روافض لکھا بلکہ عقیدہ باطلہ پر حکم حرمت و مشابہت روافض و ہنود کا لگایا جاتے، چنانچہ خود فتوی جناب مولوی احمد علی صاحب مرحوم اور مولوی رشید احمد سلمہٗ میں، یہ امر مصرح موجود ہے۔ کہ نفس ذکر میلاد کو وہ باعث حسنات و برکات لکھتے ہیں، اور براہین قاطعہ میں مکرر اس کو ظاہر کیا ہے۔ انصاف شرط ہے۔

جوابِ رابع۔ جوابِ خامس۔ جوابِ سادس (ان کو بھی اس کتاب سے تعلق ہے اس رسالے سے نہیں۔ اس لئے نقل نہیں کئے گئے، وہاں دیکھے جا سکتے ہیں) فقط!

ضمیمہ فیصلہ ہفت مسئلہ

از حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ اصل مصنف فیصلہ ہفت مسئلہ

بعد الحمد والصلوٰۃ اشرف علی تھانوی خادم آستانہ حضرت شیخ المشائخ سید السادات مولانا مرشدنا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ صاحب ضوعفت برکاتہم اپنے پیر بھائیوں اور دیگر ناظرین فیصلہ ہفت مسئلہ کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ رسالہ ہفت مسئلہ جو باعث اس کے کہ بوجہ ضعف قوائے جسمانیہ حضرت ممدوح کو خود قلم مبارک سے لکھنے میں تکلف ہوتا ہے بحکم حضرت ممدوح بعبارت اس خادم کے بغرض محاکمہ بعض مسائل تحریر ہو کر تقریباً عرصہ چار سال کا ہوا کہ شائع ہوا ہے۔ چونکہ بعض صاحبوں کو اس کے مقصود[1] اصلی سمجھنے میں غلطی ہوئی، اور حضرت ممدوح کو علی الاطلاق[2] ان اعمال وغیرہا کا مجوز[3] قرار دیا۔ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے، اس لئے محض خیر خواہی کی نظر سے حضرت صاحب کی غرض اور تحقیق کا اظہار ضروری سمجھ کر اطلاع عام دیتا ہوں تاکہ مجھ کو حق[4] پوشی

---

[1] کہ کسی غیر واجب کو واجب، غیر ثواب کو ثواب سمجھنے کے غلو سے لوگ بچیں اور جب تک ہوش و حواس درست اور معذوری نہ ہو تا تحقیق نہ ہو ان پر اعتراض نہ کیا جاتے۔ دونوں طرف کے غلو ختم کئے جائیں۔

[2] ہر طرح خواہ کسی عقیدہ سے اور کسی غیر واجب کو واجب غیر ثواب کو ثواب سمجھنے سے ہو،

[3] جائز کہنے والا۔

[4] حق بات چھپانے۔

کے گناہ سے اور دوسرے صاحبوں کو التباس[1] و اشتباہ سے نجات ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ امور و اعمال جس ہیئات و کیفیت سے مروّج و شائع ہیں۔ اکثر عوام بالخصوص جہلائے ہندوستان اس کے سبب انواع[2] انواع مفاسد اعتقادی و عملی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا تجربہ و مشاہدہ ہر عاقل فہیم منصف کر سکتا ہے۔ مثلاً مولد میں بعض قیود کو مؤکد[3] سمجھنا اور ترک قیود سے دل تنگ ہونا ایصال ثواب کے طرق میں علاوہ تاکد[4] قیود کے اگر اولیاء کی روح کو ہو تو ان کو حاجت روا[5] سمجھنا اور ترک التزام میں ان سے ضرر رسانی[6] کا خوف کرنا اور اگر عام اقارب کی روح کو ہو تو اکثر قصد نام آوری[7] ہونا اور طعن و تشنیع سے ڈرنا اور سماع میں زیادہ مجمع اہل لہو و باطل کا ہونا اور امارد[8] و نساء سے اختلاط[9]۔ اعراس میں اول تو فساق[10] و فجار کا مجتمع ہونا اور یہ بھی نہ ہو تو ادائے رسم کی ضرورت کو قرض[11] دام کرنا، پڑھنے والوں کا اکثر طعام و شیرینی کے لئے یا وجاہت داعی[12] کی وجہ سے پڑھنا۔ ندا م غیر اللہ میں بعض کم فہموں کا

لہ حق ناحق کے مخلوط ہونے اور شبہ پڑنے سے۔
ٹہ طرح طرح کے عقیدوں اور عملوں کی خرابیوں میں۔
سٹہ تاکیدی یا واجب ،
مہٹہ قیدوں کے ضروری یا واجب قرار دینے کے۔
ھٹہ حاجتیں پوری کر دینے والا۔
لٹہ نقصان و تکلیف پہنچانے کا۔
کہ نام اونچا کرنا فخر و تکبر
ثٹہ بے داڑھی کے لڑکے اور عورتوں سے۔
فٹہ مِل جل کر شریک ہونا۔
نلہ کبیرہ گناہوں میں خفیہ یا علی الاعلان مبتلا لوگ۔
للہ چاہے سودی قرض ہی لینا ہو کہ وہ حرام اور بے سود بھی بے ضرورت گناہ
ٹلہ بلانے والا ؛

منادی کو خبیر[1] و قدیر جاننا کام پورا ہو جانے پر ان کو فاعل[2] و متصرف سمجھنا جماعت اولیٰ ثانیہ سے اکثر جماعت اُولیٰ میں سستی کرنا حقہ و زٹل میں جماعت اولیٰ کو فوت کر دینا اور اس پر متاسف[3] نہ ہونا۔ اخیر کے مسئلوں میں باری تعالیٰ کے عجز[4] کا اعتقاد کر لینا۔ اور اسی طرح کے بہت سے مفاسد ہیں جن کی تفصیل استقرا[5] و تتبع سے معلوم ہو سکتی ہے۔ سو حضرت ممدوح ہرگز ہرگز ان مفاسد[6] کو یا انکے مقدمات[7] و اسباب کو جائز نہیں فرماتے حضرت ممدوح پر ایسا گمان کر کے علی الاعلان[8] ان امور کے جواز پر تمسک[9] کرنا یا حضرت ممدوح سے سوء عقیدت[10] کر لینا حضرت ممدوح کے کمال اتباع شریعت اور آپ کی تقریر[11] دلپذیر کی غرض سے ناواقفی ہے۔ **خلاصہ** ارشاد حضرت ممدوح کا یہ ہے ۔ کہ جس شد و مد کے ساتھ یہ امور لوگوں میں شائع ہیں ، وہ بدعت ہیں۔ کیونکہ اس رسالہ میں مصرح ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کرنا بدعت ہے سو جو لوگ ان قیود کو جو فی نفسہ[12] مباح ہیں مؤکد[13]

لہ جن کو پکارا جاتا ہے ان کو خبر پانے اور قدرت رکھنے والا جاننا۔
ٹہ از خود کر دینے والا ۔
سٹہ افسوس و رنج کرنے والا ۔
کہ جمادات کی طرح عاجز ہونے کا۔
ھٹہ تلاش و جستجو
لٹہ خرابیوں ؛
کہ وہ باتیں جن پر یہ موقوف ہیں یا ان کے سبب و ذریعے ہیں۔
ثٹہ ہر ہر طرح ۔
فٹہ دلیل لینا ۔
نلہ برا عقیدہ رکھنا ؛
للہ رسالہ والی دل کی مقبول تقریر کی اصل غرض دونوں طرف کے غلو کو روکنے سے ناواقفی۔
ٹلہ اپنی ذات میں ؛
سلہ تاکیدی و واجب ؛

کرتے ہیں، وہی غیر دین کو دین میں داخل کرنے والے ہیں۔ اس مرتبہ میں مانعین[1] حق پر ہیں، اور بلا[2] التزام قیود و رسوم و لزوم[3] مفاسد احیانًا[4] کرلینا اور احیانًا نہ کرنا یہ مباح ہے اس کو حرام کہنا مانعین کا تشدد[5] ہے۔ اس مرتبہ میں جواز حق ہے بایں معنے دونوں کو آپ نے حق پر فرمایا چنانچہ بعض اکابر مخصوصین کے پاس جو حضرت ممدوح کا والا نامہ مہری آیا تھا، اس میں یہ لفظ موجود ہیں کہ نفس ذکر مندوب[6] اور قیود بدعت ہیں۔ اسی طرح دیگر باقی مسائل میں تفصیل ہے جو اصول شرعیہ میں غور کرنے سے مفہوم[7] ہو سکتے ہیں۔ اس توضیح کے بعد کسی کو اشتباہ[8] والتباس کا محل باقی نہیں رہ سکتا، اگر رسالہ ہذا کی کوئی عبارت اس تقریر مذکور کے خلاف پائی جائے وہ اس خادم کی عبارت کا قصور سمجھا جاوے، اور حضرت صاحب دامت فیوضہم و برکاتہم کو بالکل مبرا[9] اور منزہ اعتقاد کیا جاوے۔ وما علینا الا البلاغ۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ (اشرف السوانح ج ۳ ص ۶۹)

---

[1] روکنے والے،
[2] قیدوں اور رسموں کو لازم و واجب بنائے بغیر،
[3] بلا خرابیاں لازم آتے۔
[4] کبھی کبھی۔
[5] روکنے والوں کی سختی ہے۔
[6] مستحب،
[7] سمجھی جاسکتی ہیں اور اب حاشیہ میں صاف لکھ دی گئی ہیں۔
[8] شبہ پڑنا اور حق ناحق کا مخلوط ہونا۔ ان کا موقع۔
[9] بری و پاک ؛

امام الشریعت الطریقت حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا ارشاد،

فتاویٰ رشیدیہ مبوب ص ۱۱۳ پر ہے۔ سوال۔ رسالہ ہفت مسئلہ مطبوعہ نظامی جو کہ حضرت حاجی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب ہو کر شائع ہوا ہے۔ یہ نسبت حاجی صاحب سلمہٗ کی غلط ہے یا نہیں، کیونکہ اس میں تائید اہل بدعت اور اہل حق علمائے محققین کی مخالفت ہے۔ مفصل کیفیت سے جواب ارشاد فرماویں۔

(از عزیز الدین صاحب مرادآبادی)

جواب: رسالہ ہفت مسئلہ میں امکان کذب و امکان نظیر میں تو کوئی امر ایسا نہیں لکھا کہ کسی کے خلاف ہو بلکہ اس کے امکان کا اقرار اور اس کی بحث سے احتراز[3] لکھا ہے، تو اس میں کسی اہل حق کی مخالفت نہیں، اور مسئلہ تکرار جماعت میں بسبب اختلاف[4] روایات فقہ کے فریقین کو نزاع سے منع کیا ہے کہ مسئلہ مختلفہ میں مخالفت کرنا مناسب نہیں اور مسئلہ نداء غیر میں صاف حق لکھا ہے کہ

---

[1] یعنی ظاہری نظر میں جبتک تمام رسالہ کو غور سے اور اس کے اشارات کو سمجھ کر نہ پڑھ لے چونکہ ظاہری سطحی نظر سے ایسے شبہات ہوتے تھے اس لئے حاشیہ میں ہر جگہ اس کو ظاہر کرنا ہے۔
[2] حق تعالیٰ سے واقع کے خلاف کا کہنا ممکن ان کو اس پر قدرت ہے گو عیب ہونے کی وجہ سے ایسا نہیں کہیں گے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل کا اللہ تعالیٰ سے بننا ممکن تو ہے ان کو اس پر قدرت تو ہے مگر ختم نبیین وغیرہ وعدوں کے خلاف ہونے سے ایسا نہیں کریں گے۔
[3] بچنا ؛
[4] اختلافی کہ راجح و مرجوح کا اختلاف ہے ؛

نداءِ غیر اگر حاضر و علم غیب جان کر کریگا تو شرک ہوگا اور جو بے اس کے شوق میں کہا ہے تو معذور ہے، گنہگار نہیں اور جو بدون عقیدہ شرکیہ کے یہ سمجھ کر کہے کہ شاید ان کو حق تعالیٰ خبر کر دیوے تو فلاں محل[1] نص میں خطا و گناہ ہے مگر شرک نہیں، اور جو نص[2] سے ثبوت ہو جیسا صلوٰۃ و سلام بخدمت فخر عالم علیہ السلام کے ملائکہ کا پہنچانا تو وہ خود ثابت ہے، سو یہ سب حق ہے۔ اس میں کوئی اہلِ حق مخالف اس کے نہیں کہتا۔ اب رہے تین مسئلے قیود[3] مجلس مولود کے اور قیود ایصال ثواب کے اور عرس بزرگان دین کا کرنا، تو اس میں وہ خود لکھتے ہیں: کہ در اصل یہ مباح ہیں اگر ان کو سنت یا ضروری جانے بدعت و تعدی[4] حدود اللہ تعالیٰ اور گناہ ہے اور بدون اس کے کرنے میں وہ مباح لکھتے ہیں۔ ہم لوگ منع کرتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان کو رسوم اہلِ زمانہ سے خبر نہیں کہ یہ لوگ ان قیود کو ضروری[5] جانتے ہیں۔ لہٰذا باعتبار اصل کے مباح لکھتے ہیں۔ اور ہم لوگوں کو عادتِ عوام سے تحقیق[6] ہو گیا ہے کہ یہ لوگ ضروری اور سنت جانتے ہیں لہٰذا ہم بدعت کہتے ہیں پس فی الحقیقت مخالفت اصل مسائل میں نہیں ہوئی مگر بسبب عدم[7]

[1] حدیث شریف کے بیان کئے ہوئے موقع کے خلاف ہیں کہ حدیث شریف میں صرف درود و سلام کا پہنچانا آیا ہے۔ ان کے علاوہ کسی بات میں یہ سمجھنا خلاف دلیل ہے۔

[2] حدیث شریف۔

[3] کہ فلاں تاریخ ہو بلا بلا کر ہو صرف ولادت شریف کا ذکر ہو قیام ہو وغیرہ ایسے ہی ایصال ثواب عرس کی قیدیں۔

[4] اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے گزر جانا ہے۔

[5] حضرت قطب عالم عرصے سے مکہ مکرمہ تشریف رکھتے تھے، ہندوستان کے لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا کہ یہ لوگ ان سب قیدوں کو واجب سمجھ کر کرتے ہیں مکہ مکرمہ کی طرح نہیں کرتے کہ کبھی کریں کبھی نہ کریں

[6] بالکل ثابت۔

[7] زمانہ کے لوگوں کے حال کے نہ معلوم ہونے سے یہ ہوا ہے کہ ہندوستان والوں کو بھی مکہ شریف کے جیسا خیال کر لیا۔

علم حال اہلِ زمانہ کے یہ امر واقع ہوا ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسا امام صاحب نے ایک شے. صابی[1] کو ایک حکم دیا اور صاحبین رحہ نے دوسرا حکم یہ بسبب اختلاف صابی کے ہوا ہے کہ امام صاحب کے وقت میں ان کا حال اہلِ کتاب جیسا تھا اور صاحبین کے وقت مجوس[2] جیسا۔ پس اختلاف اصل مسئلہ کا نہیں، بلکہ بوجہ حال اہلِ زمانے کے ہے۔ ایسا ہی دیگر مسائل میں ہے۔ پس ایسا ہی ان تین مسائل ہفت مسئلہ میں سمجھ لو۔ ورنہ حضرت سلمہ کے عقائد ہر گز بدعتیہ نہیں ہیں، کہ اہلِ فہم[3] و دانش خود عبارت رسالہ سے سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا لکھتا ہوں کہ یہ رسالہ ان کا لکھا ہوا نہیں۔ کسی نے لکھا ان کو سنا دیا، انھوں نے اصل مطلب کو دیکھ کر اباحت[4] کی تصحیح کر دی اور حال اہلِ[5] زمانہ سے خبر نہ ہوئی فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

رشید احمد عفی عنہ

[1] یہودیوں کا ایک فرقہ۔

[2] آتش پرستوں جیسا۔

[3] اسی غور سمجھ کے لئے اس وقت حاشیہ میں ظاہر کیا ہے۔

[4] جائز ہونے کی۔

[5] زمانہ والوں کی جانب سے کہ انھوں نے ان باتوں کو واجب بنا رکھا ہے۔

ایک خواب بشارت

قطب عالم حضرت حاجی صاحب کے خلیفہ مولانا محمد قاسم صاحب کے صاحبزادہ کا خواب حضرت حاجی صاحب کی حیات میں

اشرف السوانح جلد سوم میں حضرت گنگوہیؒ کے مذکورہ بالا فتاویٰ رشیدیہ والا مضمون کا حوالہ دیکر حضرت تھانوی نے اپنا ضمیمہ جو اوپر مذکور ہو چکا ہے، ذکر فرما کے آگے لکھا ہے:

نوٹ: یہ دونوں ضمیمے تو قواعد شرعیہ پر مبنی ہیں۔ اب ان کی تائید ایک رویائے[1] صالحہ سے جس کا لقب حدیث میں مبشر[2] آیا ہے۔ نقل کی جاتی ہے۔ صاحب[3] رویا جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ ہیں اور صاحب[4] روایت انکے خلف الصدق مولوی حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم حال مدرسہ موصوف ہیں۔ وہی[5] ہذہ بعین عبارۃ الراوی وہی رویا عجیبۃ مشتملۃ علیٰ حقائق غریبۃ۔

(نحمدہٗ و نصلّی)

[1] نیک خواب کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اُس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا
[2] خوشخبری دینے والا حدیث میں کہ اجزائے نبوت میں سے۔ نیک خواب ہی باقی رہ گئے ہیں۔
[3] خواب دیکھنے والے۔
[4] خواب کو حضرت تھانوی سے روایت کرنے والے:
[5] اور وہ خواب یہ ہے کہ راوی خواب مولانا محمد طیب کی بعینہ عبارت میں اور خواب بڑا عجیب اور عجیب و غریب حقیقتوں پر مشتمل ہے

احقر نے اپنے حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذیل کا واقعہ سنا ہے:
فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں فیصلہ ہفت مسئلہ چھپا، اور اس کی نسبت حضرت مرشد عالم حاجی امداد اللہ قدس سرہ کی طرف تھی، اس لئے ہم لوگوں کو سخت ضیق[1] پیش آئی موافقت کر نہیں سکتے تھے اور مخالفت میں حضرت کی نسبت سامنے آتی تھی۔ حیرانی تھی اسی دوران میں میں نے (حضرت والد صاحبؒ) نے خواب دیکھا کہ ایک بڑا[2] دیوان خانہ ہے اور اس میں حضرت حاجی صاحبؒ تشریف رکھتے ہیں، میں بھی حاضر ہوں اور ہفت مسئلہ کا تذکرہ ہے۔ حضرت حاجی صاحب ارشاد فرما رہے ہیں کہ بھائی علماء اس[3] میں تشدد کیوں کر رہے ہیں۔ گنجائش[4] تو ہے۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ حضرت گنجائش[5] نہیں ہے۔ ورنہ مسائل کی حدود ٹوٹ جائیں گی۔ ارشاد فرمایا کہ یہ تو تشدد معلوم ہوتا ہے۔ میں نے پھر بہت ہی ادب سے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ہیں، درست ہے۔ مگر حضرات فقہا تو اس کے خلاف ہی کہتے ہیں۔
حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ خواب میں ردّ و قدح[6] بھی کر رہا ہوں،

[1] تنگی۔
[2] بڑے دروازہ یعنی پھاٹک والا بڑے صحن کا مکان
[3] ان مسائل میں جو فیصلہ ہفت مسئلہ میں ہیں سختی کیوں کر رہے ہیں۔ کہ جو غیر واجب کو واجب غیر ثواب کو ثواب نہیں قرار دیتے ان کو ہی ان سے روکتے ہیں۔
[4] کہ وہ بدعت نہیں کر رہے ہیں، بدعت تو وہ ہے کہ غیر ثواب کو ثواب یا غیر واجب کو واجب سمجھتے ہوں، جب وہ ایسا نہ کریں گے تو بدعت نہیں، پھر تو گنجائش ہے۔
[5] کیونکہ آج کل کثرت سے لوگ غیر ثواب کو ثواب اور غیر واجب کو عقیدہ یا عملاً ہی واجب کر کے کرتے ہیں جو ان سے خالی ہو کر کرے گا وہ ان کی مشابہت بھی ہوگی اور دیکھنے والوں کے لئے جائز ہونے کی ایک سند ہوگی۔ کہ دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ اس کا گناہ ہوگا۔ گو بدعت نہ کہا جائے مگر بدعت کا ذریعہ ہوا اور نہ بہت بدعتیں بن بن کر مسائل میں اللہ رسول مقرر کی ہوئی حدیں باقی نہ رہیں گی۔
[6] انکار و اشکال:

لیکن حضرت کی عظمت[1] میں ایک رتی برابر فرق نہیں دیکھتا تھا۔ اسی ردو قدح میں آخر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بات مختصر کرو، اگر خود[2] صاحب شریعت فیصلہ فرمادیں پھر؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کے بعد کس کی مجال ہے کہ خلاف چل سکے، فرمایا، کہ اچھا اسی جگہ خود حضرت صاحب شریعت ہی ہمارے تمہارے درمیان میں فیصلہ فرمادینگے

والد صاحب نے فرمایا کہ اس بات سے مجھے بے غایت مسرت ہو رہی ہے کہ آج الحمد للہ حضرت صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی۔ اور اسی کے ساتھ حضرت حاجی صاحب کی عظمت اور زیادہ قلب میں بڑھ گئی کہ حق تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں کو یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔ کہ وہ اپنے معاملات میں براہ راست حضورؐ کی طرف رجوع بھی کر سکتے ہیں، اور حضورؐ کو اپنے یہاں بلا[3] بھی سکتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ لو تیار ہو بیٹھو۔ حضور تشریف لا رہے ہیں۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ دیوان خانہ کے سامنے ایک عظیم الشان مجمع نمایاں ہوا، قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ آگے آگے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پیچھے پیچھے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مجمع ہے۔ حضورؐ کی شان ہے کہ حلیہ مبارک ہوبہو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ نینو کا کرتہ باریک بلا کسی بنیائن وغیرہ کے زیب تن ہے جس میں سے بدن مبارک چمک رہا ہے۔ گویا شعاعیں سی پھوٹ رہی ہیں۔ سر مبارک پر ٹوپی پنج کلیہ ہے، جو سر پر کانوں تک منڈھی ہوئی ہے۔ اور چہرہ انور نہایت مشرق[4] اور اس قدر چمک رہا ہے جیسے

---

[1] کہ طالب علم کی طرح بحث فائدہ حاصل کرنے کے لئے تھی۔

[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم؛

[3] درخواست کر کے تبرک بھی کرا سکتے ہیں کیونکہ بطور کرامت درمیان کے حجابات اٹھ جاتے ہیں اور حضورؐ انتہائی کرم سے قدم رنجاں بھی ہو جاتے ہیں۔

[4] روشن؛

چمکتا ہوا کندن[1] سونا ہوتا ہے۔ حضورؐ جب دیوان خانہ میں داخل ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ سرو قد[2] ایک کونہ میں ادب سے جا کھڑے ہوئے اور میں ایک دوسرے مقابل کے کونہ میں ادب و ہیبت[3] سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

حضور کنارہ کاٹ کر میری طرف تشریف لائے اور بالکل میرے قریب پہنچکر میرے کندھے پر دستِ مبارک رکھا اور زور سے فرمایا کہ حاجی صاحب یہ لڑکا جو کچھ کہہ رہا ہے درست کہہ رہا ہے۔

اس پر تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحبؒ کی عظمت اور بھی زیادہ بڑھ گئی کہ ہمارے بزرگوں کو اللہ نے کیا رتبہ عطا فرمایا ہے کہ حضورؐ کس بے تکلفی سے تشریف لائے اور کس بے تکلفی سے انھیں مخاطب[4] فرماتے ہیں۔

اور حضرت حاجی صاحبؒ کی حالت یہ ارشاد مبارک سن کر یہ ہوئی کہ بجاؤ درست بجاؤ درست کہتے کہتے جھکتے ہیں، اور اپنے قدموں کے قریب تک سر[5] لیجا کر پھر سیدھے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پھر بجاؤ درست بجاؤ درست کہتے کہتے اسی طرح جھکتے ہیں اور پھر سیدھے کھڑے ہوتے ہیں۔

سات مرتبہ اسی طرح حضرت حاجی صاحبؒ نے کیا، اور مجلس پر سکوت کا عالم ہے۔ سارا مجمع کھڑا ہے کہ حضورؐ ہی خود کھڑے ہوئے ہیں۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا۔

---

[1] خالص سونا۔

[2] بالکل سیدھے کہ قد سرو کی طرح سیدھا ہو۔

[3] رعب کی وجہ سے۔

[4] جیسے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب زمانے کے واقعات حدیثوں میں آتے ہیں۔

[5] بیخودی اور فنا کا یہ درجہ ہوا؛

تو والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی یہ شفقت و عنایت دیکھ کر جرأت کی اور عرض کیا کہ حضورؐ حدیثوں میں جو حلیہ مبارک ہم نے پڑھا ہے اس وقت کا تو حلیہ مبارک اس کے خلاف ہے۔ یہ تو حضرت گنگوہیؒ کا حلیہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اصل حلیہ ہمارا وہی ہے جو تم نے حدیثوں[1] میں پڑھا ہے۔ لیکن اس وقت ہم نے مولانا گنگوہی کا حلیہ اس لئے اختیار کیا کہ تمہیں ان سے محبت و مناسبت ہے۔ اس جواب پر مجھے حضرت گنگوہیؒ سے اور زیادہ محبت و عقیدت بڑھ گئی اور اپنے اکابر کے درجاتِ قرب واضح ہوئے۔

چند منٹ پھر سکوت رہا، اور حضرت حاجی صاحبؒ غایت ادب و تعظیم سے سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب اب[2] ہمیں اجازت ہے؟ حاجی صاحب نے ادب سے عرض کیا کہ جو مرضی مبارک ہو۔

بس حضورؐ مع سارے مجمع کے اسی راہ سے تشریف لے گئے جس راستہ سے تشریف لائے تھے۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب میں نے (والد صاحب نے) حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا۔ معلوم ہوا کہ حضرت پر اس خواب سے ایک کیفیت بیخودی کی طاری ہوئی اور کچھ اس قسم کے الفاظ فرمائے کہ "کاش یہ خواب لکھ کر قبر میں میرے ساتھ کر دیا جائے تو میرے لئے دستاویز ہو جائے۔"

(احقر محمد طیّب غفرلہٗ)

---

[1] اس سے ارشاد ہو گیا کہ حدیثیں جو ہم تک اب پہنچ رہی ہیں۔ وہی قابل عمل اور قابلِ اتباع و قبول ہیں۔

[2] سابق ارشاد کے بعد یہ معاملہ کس قدر محبت و شفقت کی دلیل ہے۔

دفع شبہات اختلاف مسلک حضرت حاجی صاحبؒ و خلفاءؒ

از بوادر النوادر، ص ۲۰۹۔ حکمت نمبر ۳۲۔ مصنف:
حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

سوال: بخدمت ذوالمجد والکرم مولانا و مقتدانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہم۔ پس از سلام مسنون معروض آنکہ اگرچہ میں ایک شخص اجنبی ہوں لیکن بعض اعتبارات سے اپنے آپ کو زمرۂ خدام میں تصور کرتا ہوں اور اس بنا پر بے تکلفانہ ایک تکلیف خاص دینے کی جرأت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مجھکو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے ساتھ بعض وجوہات سے ہمیشہ سے ایک عقیدت قلبی ہے۔ اور جو حضرات حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ واسطہ و ارادت رکھنے والے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی دلی اخلاص ہے، اور بالخصوص حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مدظلہم العالی کے ساتھ جنکے محامد خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تالیفات میں بالتخصیص ارقام فرمائے ہیں، اور اپنے معتقدین کو ان کی جانب رجوع دلانے کی ہدایت فرمائی ہے ایک خاص ارادت ہے۔ بعض اوقات بعض مخالفین اور مبتدعین کے بعض اعتراضات اور شبہات کی وجہ سے جو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سلمہ اللہ تعالے کے بعض معمولات اور معتقدات سے مختلف[1] فیہ ہونے کے بارہ میں

---

[1] اختلافی۔ گو اختلافی نہ ہو تھا مگر اختلافی بنائے جاتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے (باقی ص ۹۶ پر دیکھیے)

کئے جاتے ہیں اور جن کا جواب معقول اپنے سے نہیں بن پڑتا، طبیعت کو ایک خلجان پیدا ہو جاتا ہے اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ ان شبہات کا دفعیہ مخالفین کے جواب اور نیز اپنی تشفیِ قلب کے واسطے آپ کے ذریعہ سے کر دوں کیونکہ اوّل تو مخالفین کو ایسے شبہات پیدا کرنے کی جو زیادہ جرأت اور قوّت ہو گئی ہے، وہ رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی اشاعت[1] ہے اور یہ رسالہ آپ کا ہی شائع کیا ہوا ہے۔
اگرچہ آپ نے اس کے ساتھ ایک مضمون بطور ضمیمہ کے بھی اضافہ فرمایا ہے۔ جو صرف ہم جیسے معتقدین کے لئے فی الجملہ باعث طمانیت ہو سکتا ہے۔ لیکن تاہم وہ مضمون اس اصلی تحریر کے مطلب پر کوئی کافی و وافی[2] اثر پیدا نہیں کر سکتا، اور مخالفین اس کو نظرِ تام[3] سے دیکھتے، اور قابلِ قبول قرار نہیں دیتے، بلکہ اس تقریظ کے مضمون سے جو رسالہ درمنظم مؤلفہ شاہ عبد الحق صاحب مہاجر مکّی پر جو حضرت حاجی صاحبؒ نے ارقام فرمائی ہے۔ اس اصلی مضمون رسالہ فیصلہ کی تائید[4] ہوتی ہے۔

---

[1] مختصر اور جامع ہے مگر اس کی گہرائی تک کم علموں کی نظر نہیں پہنچتی۔ اس کو کچھ سے کچھ سمجھ لیتے یا ہوشیار لوگ بنا لیتے ہیں۔

[2] پورا۔ کہ رسالہ کے لفظ لفظ کو کھول کر نہیں بتایا تو بعض لوگ اس کو رسالہ کے موافق نہیں سمجھتے۔ یا بعض غلط سمجھا دیتے ہیں۔

[3] پوری نظر سے کہ حضرت حاجی صاحب کے لفظوں سے میل کھاتا ہوا انہیں دیکھتے یا قصداً نظر ٹیڑھی کر لیتے ہیں۔

[4] اس کی تائید جو دونوں جگہ ہے اپنے ذہن میں قائم کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ واقعی۔

[(نوٹ صفحہ ۹۵ سے آگے) فعل کو مثل ہندوستان والوں کے کر کر ظاہر کیا جاتا تھا۔ حالانکہ نہ وہاں نہ تداعی (بلا بلا کر)، جمع ہوتا تھا۔ نہ کسی غیر مشروع کو شرعی نہ کسی غیر واجب کو واجب نہ رسم بنانا تھا۔ نہ وہاں ایسا کرنے والے تھے۔ کہ ان کے لئے سندِ جواز بنتا، اور حضرت گنگوہی تو غیر شرعی کو شرعی غیر واجب کو واجب اور اس کے ماحول میں مشابہت و سندِ جواز بننے اور رسمیں کرنے کو منع کرتے تھے۔ تو اختلاف کہاں تھا۔ مگر بنا لیا گیا تھا۔

دوسرے یہ کہ جناب کی تحریرات جس قدر اس وقت تک میرے مطالعہ سے گذری ہیں، ان کو تعصب و تشدّد و نفسانیت سے مبرّا[1] اور انصاف و حقانیت اور معقولیت سے مملو[2] پایا جو مخالف کو موافق اور حق ناشناس کو حق پسند بنانے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔

تیسرے یہ کہ غالباً آپ کو ان فتاویٰ کا حال بھی معلوم ہوگا، جو اہل ہند نے کسی کسی مسئلہ[3] مختلف فیہ کی نسبت مکہ معظمہ سے طلب کئے تھے۔ اور اس کا جواب بعض مخالفین کے حسبِ منشا[4] ملا اور جن پر مخالفین حضرت حاجی صاحب کی مہر اور دستخط[5] ہونا بھی بیان کرتے ہیں۔

چوتھے یہ کہ جہاں تک مجھ کو تحقیق ہوا ہے۔ آپ اسی کارِ خیر[6] کے متعلق عرائض کے جواب دینے اور اپنے اوقات عزیز کے صرف کرنے میں بخیال اصلاح حال

---

[1] بری و پاک،

[2] بھرا ہوا لبریز،

[3] مسائل کی غلط تعبیر کر کر کے ادھر منسوب کر کے غلط فتوے مکہ مکرمہ سے لے لئے تھے۔ جن کے مقابل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ نے صحیح مسائل لکھ کر صحیح جوابات مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے علماء سے حاصل کر کے المہند کے نام سے اسے شائع کیا تھا

[4] غلط بات کا وہی جواب غلط مل سکتا تھا۔

[5] ممکن ہے وہاں بھی غلط باتیں منسوب کر کے غلط جواب لئے ہوئے پیش کر کے دستخط لے لئے ہوں۔ تو جواب تو ان باتوں کا ہو گا۔ نہ اس واقعہ کا کہ ان کے اعتقادات وخیالات واقع میں ایسے ہی ہیں جواب تو بشرطِ صحت سوال ہوتا ہے۔ کوئی پوچھے کہ فلاں شخص خدا کا انکار کرتا ہے۔ تو جواب یہی ہو گا کہ وہ کافر ہے یعنی اگر سوال کا واقعہ صحیح ہے وہ واقعی انکار کرتا ہے تو کافر ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ انکار کرتا ہے یا نہیں، واقعہ کیا ہے۔ اس سے فتوے میں بحث نہیں ہوتی۔ نہ اتنی دُور والے واقعہ معلوم کر سکتے ہیں، نہ ہر سوال پر یہ تحقیق ممکن ہے۔ نہ مفتی کا یہ کام ہے۔

[6] دین کی مشکلات کے خطوط کے جوابات؛

تقال مومنین وحقوق المسلمین دریغ بھی نہیں فرماتے ہیں۔ لہٰذا وہ شبہات ذیل میں گذارش کرکے اُمیدوار ہوں کہ بمقتضائے شفقت وہمدردی اسلامی تفصیلی جواب ان کا مرحمت ہو، تاکہ آئندہ کے لئے اس قسم کے خلجان سے جو وسواس شیطانی کہے جانے کے لائق ہیں، طبیعت محفوظ رہے اور مخالفین کو جواب معقول وبحیر ساکت[1] کرنے کا موقع ملے۔

شُبہ اوّل یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض معتقدات[2] و معمولات جو اُن کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ سے یا تقریظ مندرج رسالہ درمنظم سے یا دیگر فتویٰ ہم مضمون رسالہ مذکور پر دستخط اور مہر ہونے سے یا اُن معتقدات اور معمولات کی نسبت بعض اشخاص معتمد کے چشم دید یا گوش زد احوال واقوال بیان کرنے سے ثابت[3] ہوتے ہیں۔ آیا واقعی تھے یا یہ اقوال وافعال بخلاف اپنے ذاتی عقیدہ کے کسی مصلحت پر مبنی تھے بر عایت شریف[4] و اہالیان مکہ معظمہ حضرت سے سرزد ہوتے تھے۔ اگر بخلاف عقیدت واقعی کے تھے تو یہ صورت تقیہ کی۔ اور شعار[5] روافض ہے جو حضرت کے کمالات ظاہری وباطنی کے بالکل منافی[6] ہے ــــــ اور اگر موافق عقیدہ واقعی تھے تو اُن حضرات کے جو حضرت سے واسطہ ارادت اور خلافت رکھتے ہیں۔ ان معتقدات اور معمولات کو بدعت اور ضلالت کہنے کا حضرت

---

[1] مگر یہ غرض صحیح نہیں، ساکت وخاموش کرنا دین کی بات نہیں حق پہنچانا ان کا کام ہے۔ [illegible]
[2] عقیدے اور افعال،
[3] گو ہر شخص اپنی اپنی نظر سے دیکھتا، اور دل میں بھی ہوتی بات کے مناسب ہی سمجھ لیتا ہے۔ اور جس سے ذرا بھی شکر رنجی ہو، اس کی بات کو گول مول موڑ توڑ کے غلط رائیں لے لیتا ہے۔ اور اسی طرح قابل اعتبار نہیں ہوتا۔
[4] اس زمانہ میں وہاں کے حاکم کو شریف کہتے تھے۔ یعنی حکومت کی رعایت یا لوگوں کی رعایت سے،
[5] خصوصیت وعلامت   [6] مخالف؛

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر کیا اثر ہوا، اور اُن حضرات کے حق میں کیا نتیجہ پیدا ہوا۔

دُوسرا شُبہ یہ ہے کہ آیا مُرید اور خلیفہ کو من کل الوجوہ[1] اتباع[2] شیخ کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہے اور صرف اوراد واشغال متعلقہ طریقت میں اتباع کافی ہے اور دیگر مسائل شرعیہ میں اپنے علم اور اجتہاد سے کام لینے کا مجاز حاصل ہے۔ تو اس صورت میں احکام شرعیہ میں شیخ کے عمل بالخلاف[3] سے مرید کے قلب میں عظمت شیخ جیسا کہ چاہئے تاہم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ جب شیخ کے عقائد اور اعمال بزعم مُرید خلاف شرع اور سنت ہوں گے۔ تو شیخ کے ساتھ ارادت بھی کسی طرح باقی نہیں رہ سکتی۔ اور ایسی حالت میں خود شیخ لائق شیخیت[4] متصور نہیں ہوسکتا ------ اس لئے کہ جب شیخ کو قطع نظر علم ظاہری کے اپنے کشف باطنی اور نور عرفان سے بالخصوص ایسے مسائل میں جو ان کے اور ان کے مریدوں کے فیما بین[5] مابہ الاختلاف ہوں حق وباطل اباحت[6] وضلالت میں تمیز نہ ہوسکے، تو وہ بھی ترقی مدارج و طے[7] منازل الی اللہ کا ذریعہ کیونکر بن سکتا ہے۔ یا کیونکر بنایا جاسکتا ہے، اور وہ کامل[8] مکمل کیونکر متصور ہوسکتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ایسے مسائل فرعیہ کا اختلاف قدیمی بات ہے اور اس سے معاملات طریقت

---

[1] ہر ہر طریقہ سے۔
[2] پیر صاحب کی پیروی،
[3] پیر صاحب کے ان کے علم کے خلاف کرنے سے،
[4] پیر بننے کے لائق،
[5] پیر اور مریدوں کے درمیان اختلاف کی چیز،
[6] جائز اور گمراہی ہونے میں۔
[7] اللہ تعالےٰ تک پہنچنے کی منزلیں طے کرنے کا۔
[8] طریقت میں کامل پورا کامل کردینے والا،

میں کچھ حرج متصوّر نہیں ہے تو اوّل تو یہ اختلاف ایسا ادنیٰ درجہ کا نہیں ہے دوسرے اس کے تسلیم کرنے میں طالبانِ حق کو کسی عالم و کامل متبعِ سنّتِ[1] شیخ کی تلاش کرنیکی جو ایک ضروری بات قرار دی گئی ہے، ضرورت باقی نہیں رہتی بلکہ ہر صوفی مشرب ان اشغالِ[2] معینہ و معمولات کی تعلیم اور بذریعہ بیعت داخل سلسلہ کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے، اور اگر مرید اور خلیفہ کو اتباعِ[3] کامل کی ضرورت ہے اور مرشد کے ساتھ ہم خیال و ہم عقیدہ و ہم عمل ہونا ضروری ہے۔ تو بوجہ اختلاف مسائل معلومہ[4] متذکرہ شبہ اوّل ان حضرات کے اندر ان کا فقدان[5] ظاہر ہے۔ پس ایسی حالت میں ان حضرات کی خلافت خلافتِ راشدہ[6] کیونکر تسلیم ہو اور اگر نہ تسلیم ہو تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ فرمان جو بالتخصیص حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے حق میں نافذ ہوئے ہیں کیا معنے رکھتے ہیں اور کس بنا پر ہیں اور اگر ہردو[7] حضرات کے معتقدات اور معمولات یکساں قرار دیئے جائیں تو تطبیق[8] کس طریقہ سے کی جائے اور قطع نظر دیگر مضامین کے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کے لئے ایک شرح پُر از تاویلات[9] کثیرہ مطلوب ہوگی۔

---

[1] سنت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا تابعدار پیر و
[2] ذکر و مجاہدوں کے مقررہ طریقوں اور وظائف کی۔
[3] پوری پیروی کہ خیالات عقیدوں اور عمل کسی چیز میں خلاف نہ ہو۔
[4] مذکورہ
[5] نہ ہونا۔
[6] حق و صحیح۔
[7] حضرت حاجی صاحب و مولانا رشید احمد صاحب!
[8] ایک کو دوسرے کے مطابق و موافق بنانے کی صورت!
[9] نہیں بلکہ توضیحات و تشریحات سے بھرا ہوا چونکہ سائل صاحب خود اس کا مطلب گہرائی کا اور صحیح نہ سمجھ سکے تو توضیحات کو "تاویلات" کہہ دیا۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے خلفائیں باعتبار اختلافات بعض معتقدات[1] و معمولات کے دو فریق ہیں اور ہر فریق علما کا ہے جن میں ایک فریق مولوی احمد حسن صاحب کانپوری اور شاہ عبد الحق صاحب مہاجر مکیّ۔ مولوی عبد السمیع صاحب میرٹھی وغیرہ کا ہے جن کے معتقدات و معمولات مثل[2] حضرت حاجی صاحب و دیگر متقدمین صوفیہ کرام پیشوایان سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ کے ہیں۔ اور دوسرا فریق مولوی رشید احمد صاحب و مولوی اشرف علی صاحب و ---- --- مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم وغیرہ کا ہے جو ان معتقدات و معمولات کو بدعت و ضلالت[3] بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر کہتے ہیں۔ کہ نوبت[4] بشرک و کفر پہنچاتے ہیں۔ پس ان ہر دو فریق میں سے خلافت راشدہ کس فریق کی متصوّر ہو سکتی ہے۔ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایسے دو مختلف العقیدہ[5] والعمل اشخاص کو خلافت عطا فرمانا کیسا عمل ہے۔ بس یہ ہیں وہ اعتراضات و شبہات جنکے جوابات معقول دینے میں اور مخالفین نامعقول کو معقول کر دینے میں مجھ جیسے بعض کم علم محبان خانوادہ امدادیہ کو دشواری ہوتی ہے۔ پس اگر جناب والا توجہ فرماویں، اور

---

[1] عقیدوں اور عملوں کے۔
[2] افسوس کہ سائل صاحب حضرت حاجی صاحب اور صوفیائے چشتیہ کے موقف کو نہ سمجھ سکے۔ اور موجودہ صاحبوں کے ان کے مثل کہہ گئے حالانکہ وہ سب حضرات غیر شرعی کو شرعی غیر واجب کو واجب بنانے والے اور رسمی خصوصیات و قیودات کے پیرو نہ تھے۔ نہ ان کا ماحول ایسا تھا۔
[3] بالکل غلط بات ہے جس جس طرح سے سلف کے یہ بزرگ ہر چیز کو اس کے مرتبہ پر رکھ کر گاہ گاہ بلا التزام کرتے تھے اس کو کبھی بھی ضلالات و گمراہی نہیں کہا جا سکتا نہ ان حضرات نے کہا۔
[4] العیاذ باللہ ان بزرگوں کے حدود شرعیہ کے اندر کے کاموں کو کون ایسا کہہ سکتا ہے یہ تو ان زمانہ حاضر کے لوگوں کے لئے ہو سکتا ہے جو صفاتِ خداوندی غیر میں بتاتے ہیں۔ اور اس کو ہر مسلمان شرک کہے گا۔
[5] ایک دوسرے کے خلاف عقیدے اور عمل والوں کو۔

ان امور کا جواب مفصل تحریر فرما دیں تو قطع نظر اس کے کہ مخالفین کے جواب دینے میں سہولت ہو جاوے بمصداق لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ[1] کے موافقین کے انشراح خاطر کے لئے بھی غایت بکار آمد اور مفید ہو۔ زیادہ بجز نیاز۔ کیا عرض کیا جاوے فقط والسلام۔

الجواب: مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعض امور فی نفسہٖ[2] مباح وجائز ہوتے ہیں، مگر مفاسد[3] عارضہ سے قبیح ہو جاتے ہیں جیسے اعمال متنازع فیہا[4] فی زماننا مثل مجلس مولد شریف اور فاتحہ وگیارھویں ونحوہا[5]۔ ان میں دو طرح کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ ان مفاسد کو قبیح نہ سمجھے یہ اختلاف ضلالت[6] و معصیت ہے۔ دوم یہ کہ ان مفاسد کو قبیح سمجھے اور ان مفاسد کے ساتھ ان اعمال کی بھی اجازت نہ دے، مگر بوجہ حسن ظن اور عوام الناس کے حالات تفتیش نہ کرنے سے یہ سمجھ کر کہ لوگ ان مفاسد سے بچتے ہوں گے یا بچ جاویں گے۔ اجازت دیدے سو یہ اختلاف فی الواقع[7] مسئلہ میں اختلاف نہ ہوا بلکہ ایک واقعہ کی تحقیق کی غلطی ہے جو علم وفضل یا ولایت بلکہ نبوت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہے۔ اور اس سے عظمت یا شان یا کمال اور قرب الٰہی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اَنْتُمْ[8] اَعْلَمُ

[1] تاکہ میرا دل اطمینان پا جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا
[2] اپنی ذات سے تو جائز یعنی ان کا کرنا بھی درست نہ کرنا بھی جائز۔
[3] خرابیاں پیش آنے سے بُرے اور ناجائز ہو جاتے ہیں مثلاً غیر شرعی کو شرعی غیر واجب کو واجب بنانا۔
[4] یہ کام جن میں ہمارے زمانہ میں نزاع ہے۔
[5] اور ان جیسی چیزیں
[6] گمراہی وگناہ کہ بُرے کو گناہ کو ثواب یا جائز سمجھتا ہے۔
[7] حقیقت وواقع میں۔ [8] تم اپنے دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔

بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ خود حدیث میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ در باب[1] بشارت یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا باوجود صدور حکم نبوی در باب[2] اجراء حد زنا ایک جاریہ کے زچہ ہونے کی وجہ سے تعمیل حکم میں التوا کرنا اور حضور کا اس کو پسند فرمانا خود احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ امید ہے کہ میرے اس مختصر مضمون سے سب[3] شبہات حل ہو گئے ہونگے۔ مگر احتیاطاً کسی قدر مفصل بھی عرض کرتا ہوں۔

شبہ اوّل کا جواب یہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہی عقائد ہیں جو اہل حق کے ہیں اور حضرتؒ کا ان اعمال میں شریک ہونا تحریراً یا تقریراً اذن فرمانا نعوذ باللہ مبنی فساد عقیدہ پر نہیں ہے۔ نہ تقیۃ پر ہے بلکہ چونکہ یہ اعمال فی نفسہا[4] جائز ہیں ان کو جائز سمجھ[5] کر کرتے تھے اور کہتے تھے۔ اور گمان یہ تھا کہ فاعلین[6] یا مخاطبین یا حاضرین مجلس بھی ان مفاسد سے مبرّا[7] ہوں گے۔ تو بعض جگہ تو یہ گمان

[1] مسلم وغیرہ میں یہی حدیث ہے ایک باغ میں سے حضور نے حضرت ابوہریرہ کو نعلین مبارک کی علامت دیکر بھیجا کہ جو شخص دل کے یقین سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے اس کو جنت کی بشارت دیدو حضرت عمر نے باہر سینہ پر مارا کہ گر پڑے کہا لوٹ جاؤ حضور کے یہاں قصہ پہنچا، تو عرض کیا لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں ایسا نہ کیجیے۔ فرمایا چھوڑ دو۔
[2] مسلم ترمذی ابوداؤد میں ہے ایک باندی نے زنا کیا۔ حضور نے حضرت علی کو حکم دیا جاؤ حد قائم کرو۔ واپس آئے عرض کیا اس کے زچگی کا خون جاری تھا۔ فرمایا۔ چھوڑ دو جبتک خون آئے پھر حد جاری کرنا تو پہلی حدیث میں عوام کا اس میں عورت کا حال معلوم نہ تھا۔
[3] کہ بدا تخود جائز ہونے کی وجہ سے بُرائیوں سے پاک ناجائز ماحول سے دور ہونے سے عمل تھا۔ اور مرید کو اتباع کی ترمروت ہے مگر پیر کو کوئی واقعہ معلوم نہ ہو یا غلط پہنچا ہوا ہو تو اس کے موافق نہ کرنا درست ہے جیسے حضرت عمر و حضرت علی نے کیا۔ اور جس سے حسن ظن ہو کہ خرابیوں سے پاک ہے۔ یا رہے گا اس کو سند دینا درست ہے پھر وہ خود ذمہ دار ہے
[4] اپنی ذات سے
[5] برائیوں سے بچا کر۔
[6] ایسے کام کرنے والے [7] بری!

صحیح تھا۔ اور بعض جگہ حسن ظن کا غلبہ تھا، اور یہی صورت اکثر[1] تھی۔ اور جو لوگ بدعت وضلالت کہتے ہیں نفس افعال کو نہیں کہتے کہ حضرت پر اثر پہنچے۔ بلکہ مفاسد[2] کو کہتے ہیں جس سے حضرت خود بری ہیں۔ پس حضرت کے قول و فعل کا خلاصہ یہ نکلا کہ یہ افعال بلا مفاسد جائز ہیں اور فتویٰ علما کا حاصل یہ ہوا کہ یہ افعال مع المفاسد ناجائز ہیں۔ سو اس میں کچھ اختلاف نہ ہوا، البتہ یہ امر کہ آیا اکثر مواقع میں یہ مفاسد موجود ہیں یا نہیں اسمیں حضرت[3] اور علماء[4] کا اختلاف رہا۔ سو یہ ایک واقعہ میں اختلاف ہے جیسے زید کے گھر[5] میں ہونے میں۔ اس میں اگر حضرت کو صحیح خبر تحقیق نہ ہو تو حضرت پر الزام و ملامت نہیں اور نہ اختلاف کرنے والوں کو اس کے خلاف سے کوئی ضرر[6]۔

دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ جو امر یقیناً خلاف[7] ہو اس میں شیخ کا اتباع مرید کو ضرور[8] نہیں اور جو امر ایسا ہو کہ شیخ کا عقیدہ اس میں صحیح ہے اور کسی واقعہ کی صحیح خبر نہ پہنچنے سے عمل خلافِ مصلحت ہو گیا۔ چونکہ فی نفسہ[9] وہ امر خلاف

---

[1] نیک گمان تھا کہ یہ غیر شرعی کو شرعی غیر واجب کو واجب نہ بنائیں گے ہر مکروہ و گناہ سے بچے رہیں گے کہ آخر حضرت کے صحبت یافتہ تھے۔ مگر مکہ مکرمہ سے واپس ہندوستان پہنچکر دوسری صورت ہو جاتی تھی۔

[2] تداعی غیر شرعی کو شرعی غیر واجب کو واجب بنانا ایسے ماحول میں مشابہت و سد بنانا ان کو کہتے ہیں۔ ان سے پاک صورت کو نہیں کہتے۔

[3] حضرت کے سامنے مکہ مکرمہ کے حالات تھے۔ ہندوستان کا پورا حال معلوم نہ تھا۔ اس لئے منع نہ فرمایا۔

[4] علماء کے سامنے ہندوستان کا حال ان خرابیوں کا وجود بلکہ ان سے بڑھکر معصیت اور قریب بشرک حالات معلوم تھے، ان واقعات کے علم کا اختلاف تھا۔

[5] جس کو معلوم ہے گھر ہے وہ یہ کہے گا جس کو معلوم ہے کہ نہیں وہ کہے گا نہیں گھر، تو یہ اختلاف واقعہ کے علم و عدم علم سے ہے دونوں سچے ہیں۔

[6] کہ صحیح خبر پر مدار ہے اگر حضرت کو بھی صحیح خبر ملتی تو ایسا ہی فرماتے۔

[7] شریعت کے خلاف [8] بلکہ جائز نہیں کہ حدیث میں ہے کہ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری نہیں اور تاویل نہ ہو سکے تو کیا تر میں بیعت فسخ کرنا واجب ہے [9] اپنی ذات سے

شرع نہیں جس عقیدہ و نیت سے شیخ نے کیا ہے وہ خلاف شرع نہیں، اس لئے شیخ کی عظمت مرید کے قلب سے ذرہ برابر نہیں گھٹ سکتی مثلاً اگر کسی شخص نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا اور آپ کو اس وقت خبر نہ ہوئی تو صحابہ کے قلب سے یہ سمجھ کر کہ حضورؐ نے زہر نوش فرمایا[1] ہرگز عظمت کم نہیں ہو سکتی، بلکہ یہی کہا جاوے گا، کہ آپ نے تو کھانا حلال[2] نوش فرمایا ہے مگر زہر کی اطلاع حضور کو نہ ہوئی، ورنہ ہرگز نوش نہ فرماتے، اور اس تبع[3] بنا پر مرید افعال شیخ کو خلاف شرع نہ سمجھے گا جو عظمت کم ہو، اور کشف باطن اور نور عرفان سے حق و باطل کا انکشاف کسی درجہ میں مسلّم[4] بھی مگر یہاں تو حق و باطل میں شیخ کو التباس[5] ہی نہیں جو انکشاف کی حاجت ہو، اس کا انکشاف تو حاصل ہے کہ فلاں طور پر حق ہے اور فلاں طور پر باطل ہے۔ صرف ایک واقعہ[6] جزئیہ اس کی نظر سے مخفی ہے جس کا مخفی ہونا انبیاء علیہم السلام سے بھی مستبعد[7] نہیں، خود حدیث میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں بشر ہوں۔ شاید کوئی شخص اپنے دعوے پر حجت[8] شرعیہ قائم کر کے مقدمہ جیت لے — اور اس کا حق نہ ہو اور میں اسے دلا دوں تو وہ دوزخ سے حصہ لے رہا ہے۔ ظاہری حجت[9] پر حضور فرما دیتے تھے

---

[1] اور زہر کھانا حرام ہے۔

[2] زہر معلوم نہ تھا کہ حرام ہوتا ہے یہ واقعہ بھی حدیث شریف میں ہے۔

[3] کہ اہلِ زمانہ کا حال معلوم نہیں کہ وہ گناہ کے طریقہ سے کرتے ہیں۔ آپ نے تو خالص جائز کیا ہے۔ نہ معلوم ہونے پر منع نہیں کیا۔

[4] تسلیم کیا ہوا [5] خلط ملط

[6] خاص واقعہ لوگوں کا گڑبڑ کرنا

[7] دور [8] شرعی ثبوت

[9] ثبوت

اور بعض اوقات احتمال ہوتا تھا کہ شاید دُوسرے کا حق ہو حضورؐ پر ہرگز کوئی طعن نہیں ہوسکتا۔ آپ نے تو حق ہی فیصلہ فرمایا، مگر چونکہ واقعہ کی تحقیق صحیح نہ ملی، اس لئے صاحبِ حجّت کو غالب فرمادیا، ایسی حالت میں کاملِ مکمّل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ بخلاف اس شیخ کے جس کے عقاید یا مسلک میں غلطی یقینی ہو، وہ البتّہ قابلِ[1] شیخ ہونے کے نہیں۔ اور اوپر معروض ہوچکا ہے کہ حضرت کے عقاید یا مسلک میں خلاف نہیں، صرف ایک واقعہ کی تحقیق صحیح نہیں پہنچی۔ پس نہ حضرت پر کوئی شبہ رہا نہ خلفا کی خلافت راشدہ میں کوئی قدح[2] رہا۔

سلطان نظام اولیاء قدس سرہٗ کے خلیفہ کا سماع سے منکر ہونا شیخ کے روبرو مشہور و معروف مرتبہ اور فہیم آدمی کے لئے خود فیصلہ ہفت مسئلہ کی عبارت میں جابجا تقلید کو رتبہ ضرورت میں سمجھنے کی مذمّت مشرح[3] کافی ہے۔ اور مخاصم[4] کے حق میں دفاتر[5] و دساتیر بھی کافی نہیں۔

تیسرے شبہ کی نسبت یہ عرض ہے کہ حضرت کے تمام خدام کی خوش اعتقادی کا دعویٰ ہم نہیں کرسکتے یقیناً بعض اہل علم کو بعض امور میں لغزش واقع ہوئی ہے۔ بعض کو تو مسائل میں غلطی ہوگئی ہے جس سے حضرتؒ بالکل مُبرّا[6] و مُنزّہ ہیں۔ اگر وہ حضرت کے قول کی سند لادیں تو بہت یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ انھوں

---

[1] پیر ہونے کے لائق نہیں اس سے بیعت نہ ہوں، ہوچکے ہوں تو بیعت توڑ دینا واجب ہے۔
[2] اعتراض۔
[3] کافی شرح و تفصیل سے۔
[4] جھگڑے کے عادی شخص کے لئے۔
[5] دفتر کے دفتر دستور کے دستور۔
[6] بری و پاک

نے حضرت کے ارشاد کو نہیں سمجھا یا حضرت نے غلبۂ[1] حال میں کوئی امر فرمایا جو تاویل[2] کے قابل ہوتا ہے اور اُن صاحبوں نے اس کو ظاہر پر محمول فرمادیا، چنانچہ اس ناکارہ کے روبرو غلبۂ حال میں بعض امورِ غامضہ[3] فرمائے اور خود حضرت کی حالت سے معلوم ہوگیا اس وقت غلبہ ہے۔ ممکن ہے کسی کو اس کی طرف توجہ نہ ہوئی ہو کہ اِس کو غلبہ سمجھا ہو، اور جن اُمور[4] میں غلطی بھی نہیں ہوئی، مگر عوام اس سے برباد ہوئے چونکہ ان صاحبوں کو غلبۂ حال ہی نہیں اور عوام کے حال سے علماء کو بوجہ اختلاط عوام کے اطلاع زیادہ ہوتی ہے اس لئے ان صاحبوں کی غلطی تحقیق واقعہ میں یا غلبہ حال کے ارشادات نقل کردینے میں قابلِ[5] معذوری نہیں، اور مشائخ میں یہ دونوں عذر صحیح ہیں، اور مسئلہ کی یقینی غلطی تو کسی کے لئے بھی عذر نہیں، مگر حضرتؒ اس سے بالکل بری ہیں اور حضرت کا خلافت عطا فرمادینا کسی مبتلائے غلطی کو بنا بر عدم اطلاع اس شخص کی غلطی کے ہے جس کا خلافِ[6] شان نہ ہونا اوپر ظاہر ہوچکا ہے۔ اگر اس کے بعد کوئی شبہ ہو بے تکلّف ارشاد فرمادیا جائے۔ میں ایک ضرورت سے دوسری جگہ آیا ہوں شاید دو چار روز اور رہنا ہو، فقط والسلام

راقم اشرف علی عفی عنہٗ

---

[1] ذات و صفات کی توجہ شدید میں بے خودی کی سی جو حالت ہوتی جیسے حضرت جنید و شبلی وغیرہ کو بھی گاہ گاہ ہوتی ہے۔
[2] حق کی طرف مائل کرنے کے قابل۔
[3] باریک گہرے مسائل
[4] اصل مسئلہ سمجھنے یا غلبہ سمجھنے میں غلطی نہیں ہوئی۔ خود ہی ایسی طرح نقل کردی کہ عوام کی سمجھ سے اونچی تھی۔
[5] معذور قرار دینے کے قابل
[6] کہ انبیاء علیہم السلام میں بھی ایسا ہوا ہے کہ ان کی برابر قوت شان والا کوئی نہیں ہوسکتا۔

مستفتی کا دوسرا خط جسمیں اُسنے پہلے خط کے جواب پر کچھ شبہات کئے ہیں !

بخدمت فیضدرجت جامع کمالات صوری و معنوی مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دامت فیوضہم پس از سلام مسنون عقیدت مشحون معروض آنکہ افتخارنامہ بجواب عریضہ صادر ہوکر کاشف[1] اسرار ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ جناب نے بطریق تمہید جواب جو کچھ اجمالاً تحریر فرمایا ہے وہ ہی مخلصین کے اطمینان قلب کے لئے کافی و وافی ہے لیکن منکرین کے لئے ہنوز گنجائش کلام باقی ہے جس کو جناب کے اس ارشاد کی تعمیل میں (کہ اس کے بعد اگر کوئی شبہ ہو تو بے تکلف اظہار کردیا جاوے) ذیل میں گذارش کرتا ہوں اور اُمید ہے کہ اس مرتبہ کافی اور مفصل جواب کے بعد اس معاملہ میں ضرورت تصدیعہ[2] باقی نہ رہے گی، ہر دو روایات مشورہ[3] کتمان بشارت اور التواے[4] اجراء حد زنا کو تفصیل کے ساتھ ارقام فرمادیجئے۔ اور خلیفہ حضرت مولانا نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہٗ العزیز کی مخالفت بمعاملہ سماع کا قصہ بھی مفصل مع حوالہ کسی کتاب کے اور نیز اسی قسم کی دیگر روایات اگر مستند کتابوں سے بہم پہنچ سکیں رقم فرماتے اسلئے

---

[1] رازوں کو کھولنے والا کہ جو عام ذہنوں سے چھپے ہوئے تھے۔
[2] جواب کی تکلیف دینے کی ضرورت ،
[3] حضرت عمرؓ کا مشورہ جنت کی بشارت کو ظاہر نہ کرنے کا باوجود حکم صریح کے۔
[4] زنا والی، ندی پر حضرت علیؓ کا حد زنا جاری کرنے کا ملتوی کردینا زچگی کی وجہ سے باوجود حکم نبوی کے

کہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بمقابلہ دلائل و براہین عقلی و نقلی کے گذشتہ واقعات کی تمثیل متصوفین[1] زمانۂ حال میں زیادہ اثر پیدا کرتی ہے۔ بنظر علم شبہات جوابات سابقہ عریضہ سابقہ معہ[2] ساجی نامہ ہمرشتہ عریضہ ہذا مرسل ہے۔ تاکہ تحریر جواب میں سہولت ہو۔ ایک امر محض بنظر اطلاع پیش کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس عرصہ میں میری نظر سے ایک تحریر مولوی احمد حسن صاحب کانپوری کی گذری ہے جسمیں رسالہ فیصلہ ہفت مسئلہ کی بابت یہ الفاظ تحریر تھے۔ (ہفت مسئلہ میں جو ضمیمہ لگایا گیا ہے اس کی عدم[3] رضا حضرت کی طرف سے ثابت ہے۔ مولوی[4] شفیع الدین صاحب سے بتاکید آپ نے فرمایا ہے کہ اشتہار ردو اس امر کا کہ ضمیمہ[5] ہمارے خلاف ہے)

اب اصل مطلب عرض کیا جاتا ہے اور بطریق مدعیانہ[6]۔ شبہ اوّل کے جواب میں آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ چونکہ یہ افعال فی نفسہا[7] جائز ہیں۔ انکو جائز سمجھ کر کرتے تھے اور کہتے تھے اور گمان یہ تھا کہ فاعلین[8] و مخاطبین و حاضرین مجلس اُن مفاسد سے مبرا[9]

---

[1] خود کو صوفی ظاہر کرنے والوں
[2] گرامی نامہ عریضہ کے ساتھ ایک دھاگے میں پرو کر ،
[3] حضرت حاجی صاحبؒ کا اس سے راضی نہ ہونا جو کسی نے اپنے مذاق سے سمجھ کر کہا ہوگا۔
[4] حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ جو مکہ مکرمہ میں ہی قیام فرما تھے۔ ظاہر ہے وہ ہندوستان میں طبع نہ
[5] غالباً نقل کرنے والے صاحب نے اپنے خیالات کے ہجوم میں کسی جملہ کے یہی معنے سمجھ لئے ہونگے ورنہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت مولانا شفیع الدین صاحبؒ ضرور اس سے پرچا[illegible] کو طبع کرا کے یا کم از کم خطوط سے ہی اطلاع دیتے جب ایسا نہیں ہوا تو خود حضرت مولانا شفیع صاحب نے یا اس کی بات کو غلط فہمی قرار دیا، یا حضرتؒ کو غلط مفہوم بنا کر سنانا قرار دیکر ناقابل توجہ فرمادیا۔
[6] دعوے کرنے والے مخالف کے طریقہ پر ،
[7] اپنی ذات سے۔
[8] ایسا کرنے والے ،
[9] بری اور الگ !

ہوں گے، اس موقع پر اس کی تحقیق مطلوب ہوئی کہ وہ مفاسد کیا ہیں جن سے حضرت مُبّرا تھے۔ اور دوسروں کا مُبّرا ہونا اپنے حسن ظن سے خیال فرماتے تھے، جہاں تک خیال کیا جاتا ہے مفاسد وہی امور قرار دیئے گئے ہیں جن کو حضرت حاجی صاحبؒ نے مصالح پر مبنی نہ ہونا ارشاد فرمایا ہے۔ اگر یہ کہا جاوے کہ یہ امور فی نفسہٖ جائز ہیں اور تبدیل نیت اور عقیدہ سے ناجائز ہوجاتے ہیں اسکے بارہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اوّل تو نیت و عقیدہ کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا، دوسرے باستثنائے جہان و عوام تعلیمیافتہ اور خواص نیک نیتی و خوش عقیدگی کے ساتھ محض ان مصالح پر نظر کرکے جو سلف سے منظور نظر ہیں اس قسم کے اعمال کرتے ہیں اور ان اعمال کے ترک کو بھی صرف بخیال فوت ہوجانے اُن مصلحتوں کے یا ترک اقتداء بزرگان پیشین کے مذموم تصور کرتے ہیں۔ پھر ایسی حالت میں عام طور پر بلا کسی استثنا کے ان علماء کی ممانعت حضرت حاجی صاحب کے ارشاد کے خلاف کیوں نہ سمجھی جاوے کیا حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں جو محفلِ میلاد شریف ہوتی تھی، یا جن محافل کے اندر ہندوستان میں یا مکہ معظمہ وغیرہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کو شرکت کا اتفاق ہوا ہوگا۔ ان محافل میں تداعی اور کثرت روشنی، اور

۱؎ بلا بتائے یا قوی قرینوں کے
۲؎ جاہلوں اور عوام کو چھوڑ کر
۳؎ علماء و بزرگ۔
۴؎ گو ان کا کوئی ثبوت نہ ہو یا قابلِ رعایت نہ ہوں، خصوصاً دین و ثواب اور ترک کو ترک واجب کی طرح قرار دینا کہ کے یہ سلف سے ثابت نہیں۔
۵؎ اقتداء تو امور دین و ثواب میں چاہئے نہ کہ دنیوی و فرضی خیالی مصلحتوں میں اور ان کو واجب قرار دے کر کہ یہ شرعی جرم ہوجاتا ہے۔
۶؎ بڑا بلکہ گناہ اور جس کے ترک کو حضورؐ نے جائز قرار دیا ہو اسکو بُرا اور گناہ قرار دینا حضورؐ تک پہنچتا ہے
۷؎ کسی کو بچائے بغیر، حالانکہ ایسا نہیں جو کسی مکروہ و ناجائز میں مبتلا نہ ہو اس کو منع نہیں کیا۔

استعمال خوشبو و اہتمام فروش وجائے نشست ذاکر کو بلند و ممتاز کرنا اور قیام بالتخصیص عند ذکر الولادۃ اور اجتماع ہر خاص و عام کا نہ ہوتا تھا، نہیں ضرور ہوتا تھا، پس وہ کون سے مفاسد تھے جن سے حضرت کو عدم واقفیت و لاعلمی تھی اور وہ کون سے واقعات تھے کہ جن سے حضرت بے خبر تھے کہ جس کی بنیاد پر واقعہ کی تحقیق میں غلطی ہونا تسلیم کیا جاسکے۔

شبہ دوم چونکہ شبہ اوّل پر مبنی ہے اس لئے اس کے جواب کا بھی وہی انداز قائم کیا گیا کہ کسی واقعہ کی صحیح خبر نہ پہنچنے سے کوئی عمل خلاف مصلحت مرشد سے سرزد نہ ہوجاوے تو اس سے عظمت شیخ کی بات کوئی ناقص خیال پیدا نہیں ہوسکتا۔ اول تو حسب اقوال و اعمال متصوفین سابقین شیخ کے حق میں یہ کلام و گمان بھی کہ عمل خلاف مصلحت ہوا سوء ادبی ہے کیونکہ باوجود علم و احتمال ایسے اختلافات عظیم کے ایسے شیخ سے عمل خلاف مصلحت ہوجانا اس کی شان میں فرق ڈالنے والی بات ہے۔ دوسرے یہ عمل دریافت طلب ہوا کہ وہ کون سے ایسے واقعات تھے جن کی خبر صحیح حضرتؒ کو نہ پہنچتی تھی، جہاں تک خیال کیا جاتا ہے کہ اس امر کا ثابت کرنا سخت متعذر معلوم ہوتا ہے، بلکہ اس کے خلاف

۱؎ کھڑا ہونا خصوصاً ذکر ولادت پر
۲؎ علماء و جہال صوفیہ و عوام
۳؎ اس کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے اور پھر اس کے بھی ثبوت کی کہ حضرت نے اس پر ناگواری ظاہر نہیں فرمائی بلکہ ضرورت یا پسندیدگی ظاہر کی ہو، اور ان کے بھی ثبوت کہ کرنے والوں کے لئے ضروری اور غیر شرعی کو شرعی غیر واجب کو واجب قرار دینے کا علم تھا۔
۴؎ صوفی لوگ ۵؎ قصداً خلاف ہونا نہ کہ لاعلمی سے
۶؎ اگر قصداً ہو۔
۷؎ مشکل۔ نہ معلوم کیوں جب کہ مکہ مکرمہ ہندوستان سے بہت فاصلہ پر ہے۔

شہادتیں تحریری و تقریری ہندوستان میں اکثر[1] موجود ہیں۔

شبہ سوم کا جواب بھی بطرز سابق یہ ارقام ہوا ہے کہ حضرت کا خلافت عطا فرما دینا کسی مبتلائے غلطی کو بنا بر عدم اطلاع اس شخص کی غلطی کے ہے جس کا خلافت شان نہ ہونا اوپر ظاہر ہو چکا۔ اس معاملہ میں اول تو اس بات کا مان لینا کہ حضرت کو ان اشخاص کے احوال و اقوال عقائد اور اعمال کی اطلاع نہ ہو سخت دشوار بلکہ بداہت[2] کا انکار ہے۔ اور کسی طرح قرین عقل نہیں کہ جو لوگ مدتوں خدمت و صحبت میں حاضر رہے ہوں، اور نزدیک و دور سے فیضانِ باطنی سے مستفیض[3] ہوتے رہے ہوں۔ ان کے معتقدات[4] اور معمولات سے حضرت بے خبر رہیں، اور اگر عیاذاً[5] باللہ بہ تمثیل منافقان اوائل زمانہ رسالت بیخبری تسلیم بھی کی جاوے تو حضرت پر بڑا الزام یہ عائد ہوگا، کہ بلا اطمینان تصحیح[6] حال و قال خلافت کیوں عطا فرما دی۔ اس لئے کہ یہ امر خلافت تو کوئی دنیا کا کام نہ تھا، یا کوئی عبادت یا معاملات کا مسئلہ یا استفتاء نہ تھا، کہ جس کے بابت یہ حجت کی جا سکے کہ واقعات و حالات سے بے خبر رہنے کی وجہ سے حکم یا عمل خلاف واقعہ بامصلحت صادر ہو گیا، بلکہ یہ

---

[1] ایک بھی ممکن نہیں کہ کسی نے ان کی نیتوں کو اُن سے معلوم کر کے یا انکے واجب کر کے کر انکو بطور غیبت وہاں جا کر ذکر کیا ہو کیونکہ ان کے حاضر باش واقف حال بخیال مجھے وہ ذکر ہی نہ کر سکتے تھے اور کرتے بھی تو ایک وابت منتج

[2] کھلی بات،

[3] فیض لینے والے،

[4] مکر شریف میں ان کے استعمال و اظہار کا موقعہ کب تھا،

[5] اللہ کی پناہ، حضور کے اول اول زمانہ میں کے منافقوں کی طرح اندر کچھ باہر کچھ، ان بزرگوں کے فعل کو سمجھا جائے اور حضرت کی بیخبری ایسے ہی ہو جیسے حضور کی بیخبری تھی،

[6] حالات اور گفتگو کو صحیح کئے بغیر؛

معاملہ تو بالکل نور باطن و تصفیۂ قلب و عرفان سے تعلق رکھتا ہے پھر کیوں ان ذریعوں سے مثل بزرگان سلف مریدین کے حالات کو دریافت نہیں کیا تاکہ وہ غلطیاں جن میں بعض خلفا مبتلا تھے۔ آئندہ سلسلہ میں سنت پیر باعمل شیخ قرار پا کر شائع نہ ہوتے پائیں کیونکر مراقبہ[1] قلب حضرت رحمہ میں ان خلفا کے بعض عقائد و اعمال فاسدہ کا عکس جیسا کہ اکثر بزرگواروں کے حالات میں مذکور ہوتا ہے منعکس نہیں ہوا

اب ان امور کا جواب بعد ملاحظہ و توجہ تحریر اول کے ارشاد فرمایا جاوے اور پہلے پتہ کے موافق ارسال فرمایا جاوے، اگرچہ اسمیں شک نہیں کہ اس فضول کام میں جناب کے اوقات عزیز کا صرف کرنا نہایت بموقع تصدیعہ[2] دہی ہے مگر بمقتضائے ضرورت نظر بہ اشفاق[3] عمیم جناب والا مجبوراً تکلیف دی گئی، فقط زیادہ نیاز؛

الجواب از خاکسار اشرف علی عفی عنہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ میں ہنوز چرخ تھا دل ہوں۔ اس لئے آپ کا خط دیر میں ملا، آپ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ منکرین کے لئے ہنوز گنجائش کلام باقی ہے۔ سو احقر نے پہلے بھی منصفین[4] کے لئے لکھا تھا۔ اور اب بھی اسی غرض سے لکھتا ہوں۔ منکرین کے لئے پہلے ہی خط میں لکھ چکا ہوں کہ دفاتر[5] بھی کافی نہیں، خلاصہ یہ کہ تحقیق حق مقصود ہے مناظرہ مقصود نہیں نہ آج کل اس سے کوئی نفع۔

---

[1] قلب شریف کو ان کی طرف بالکل متوجہ کرنے سے

[2] تکلیف دینا،

[3] عام شفقتوں پر نظر،

[4] انصاف والوں کے لئے جو تعصب اور دلی کدورت سے الگ ہوں

[5] دفتر کے دفتر کتابیں ہی کتابیں؛

لہٰذا اہتمام تو تحریرات میں اسکاتِ[1] منکرین سے قطع نظر کیجئے اپنے شبہات کو البتہ رفع کر لیجئے۔ دوسروں سے اگر گفتگو ہو تو اگر وہ منصف ہوں تو ان کو علماء کا حوالہ دیدیجئے، خود وہ اپنے شبہات رفع کر لیں آپ کیوں فکر فرماتے ہیں۔ اور اگر وہ معاند[2] ہوں جانے دیجئے ان کے ساکت کر دینے کا کوئی شرعاً مکلّف نہیں پھر تعب برداشت کرنا ایک فضول امر کے لئے کسی کو ضرورت پڑی ہے، مشورہ کتمانِ شہادت مشکوٰۃ کی کتاب الایمان میں موجود ہے۔ التوائے حد زنا کا قصہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی میں موجود ہے۔ ہکذا فی التیسیر فی کتاب الحدود اور مسلم میں ایک اور قصہ مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک شخص کی گردن مارنے کا حکم فرمایا، چونکہ وہ شخص کسی ام ولد کے ساتھ متہم کیا گیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو مجبوب[3] پاکر چھوڑ دیا اور آپ نے تحسین فرمائی۔ معاملہ خلیفہ سلطان جی کا غالباً انوار العارفین میں مذکور ہے، دیگر روایات کی تلاش کی چونکہ ضرورت نہیں۔ اسلئے اس کا قصد نہیں کیا گیا، جب کہ ایک دلیل بھی کافی ہے۔ اگر یہ امر[4] قابل اطلاع تسلیم بھی کر لیا جاوے تو مضر نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت رہ کی خدمت میں ضمیمہ اس طرح اور ایسے عنوان سے پیش کیا گیا ہو کہ حضرت کو مظنّہ[5] انکار نفس اعمال یا مع القیود المباحہ بلا لزوم المفاسد کا ہوگیا

---

[1] منکرین کو خاموش کرنے سے،
[2] دلی کدورت والے دشمنی والے
[3] آلہ تناسل کٹا ہوا، [4] کہ حضرت حاجی صاحب نے ضمیمہ کے لئے یوں فرمایا تھا
[5] نفس ان عملوں کے انکار یا جائز قیدوں کے ساتھ بغیر خرابیاں لازم آنے کے انکار کا گمان؛

ہو اس بنا پر اظہار[1] مخالفت مانعین کو مضر نہیں ہے۔ جو مفاسد آپ نے دریافت فرمائے ہیں اگر آپ اصلاح الرسوم کی مفصل بحث میلاد شریف یا رسالہ طریقہ مولد شریف از تالیفات احقر ملاحظہ فرمادیں تو ان مفاسد کا بخوبی انکشاف ہو جاوے، مگر یہاں بھی ان کا خلاصہ و اصل الاصول عرض کئے دیتا ہوں وہ مفسدہ یہی تبدیل[2] نیت و عقیدہ ہے اور اس پر جو شبہ لکھا[3] ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عقیدہ و نیت کا حال بلا اظہار البتہ معلوم نہیں ہو سکتا مگر جب اہل عقیدہ اپنے قول سے یا فعل سے اس کا اظہار کر دیں، تو معلوم ہو جاویگا۔ چنانچہ ان صاحبوں کی مجموعی حالت سے اعتقاد کا حال صاف صاف ظاہر ہوتا ہے۔ مختصر امتحان یہ ہے کہ اگر یوں مشورہ دیا جاوے کہ جو قیود فی نفسہا[4] مباح اور جائز الفعل والترک ہیں، ان کو دس بار کرتے ہیں۔ تو دس بار ترک بھی کر دو تاکہ قولاً و فعلاً اباحت ظاہر ہو جاوے تو اس قدر شاق ہوگا کہ فوراً مخالفت[5] پر آمادہ ہو جاویں گے، اگر سچ مچ ان امور کو ضروری نہیں سمجھتے تو اس شاق گزرنے کی کیا وجہ اکثر عوام کا تو یہی

---

[1] مخالفت ہونے کو ظاہر کرنا اگر ایسا ہوا بھی ہو مضر نہیں ہے کہ غلط فہمی پر غلط تاثر سے ہوا تھا۔
[2] کہ محض رسم یا نمود و نمائش یا ان خصوصیات کو افضل یا غیر شرعی کو شرعی غیر واجب کو واجب بنانے کا عقیدہ یا واجب جیسا عمل؛
[3] کہ نیت کا علم نہیں ہو سکتا؛
[4] جو قیدیں اپنی ذات سے جائز ہیں کہ ان کا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔
[5] اگر واجب عقیدہ یا عمل میں نہ قرار پایا تھا، تو مخالفت کی کیا بات جب حضور نے کرنا نہ کرنا برابر رکھا، نہ کرنا بھی جائز قرار دیا۔ تو نہ کرنے بلکہ اس کا نام بھی لینے پر مخالفت تو اس حضور کے جائز کئے ہوئے کو ناجائز بنانا ہو گیا، جو سخت ترین جرم ہے۔

حال ہے اگرکسی تعلیم یافتہ فہیم کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو تو غایتہ مافی الباب[1] اس کے لئے علت ممانعت پر نہ ہوگی، مگر یہ لازم نہیں آتا کہ کسی دوسری علت سے بھی منع نہ کیا جاوے اگر کوئی دوسری علت منع کی پائی جاویگی تو ان کو بھی روکیں گے، وہ علت ایہام جاہل[2] ہے. یعنی خواص کے کسی فعل مباح سے اکثر عوام کے عقائد میں فساد آنے کا اندیشہ غالب ہو تو خواص بھی مامور بترک[3] مباح ہوں گے. شامی محشی درمختار نے بحث کراہت[4] تعیین سورت میں یہ قاعدہ لکھا ہے کہ جہاں تفسیر مشروع ہو یا ایہام جاہل ہو وہاں کراہت ہوگی پس عوام الناس تغیر مشروع[5] کی وجہ سے روکے جاتے ہیں، اور خواص ایہام جاہل کی وجہ سے یہی وہ مفسدہ ہے جس کا مخفی رہ جانا اور فلتفت الیہ[6] نہ ہونا بعید نہیں اکثر مفاسد نیات و عقائد عوام کے بزرگان و اکابر سے مخفی رہتے ہوئے روز و شب مشاہدہ میں آتے ہیں.

شبہ دوم کا جواب بھی اسی تقریر سے نکل آیا، سوء ادب کا شبہ اہل فہم سے نہایت بعید ہے جب انبیاء علیہم السلام سے زلّت[7] کے صدور کے معتقد و قائل ہونے میں سوء ادب لازم نہیں آیا، تو اولیاء کرام کے حق میں کونسی بات سوء ادب کی ہے. ہاں سوء ادب ایک طرح

---

[1] تو اس باب کی گفتگو کی انتہا یہی تو ہوگی.

[2] ناواقف لوگوں کو اس خیال میں مبتلا کرنا کہ یہ واجب یا سنت ہے یا ترک سے افضل ہے. تو غیر واجب کو واجب یا غیر سنت کو سنّت سمجھ کر ان کا عقیدہ خراب ہوگا.

[3] اس جائز کے چھوڑ دینے کا حکم دیئے جائیں گے.

[4] نماز میں کوئی سورت معین کرنے کے مکروہ ہونے کی بحث میں.

[5] شرعی بات کو بدلنے کی غیر واجب کو واجب قرار دینے کی وجہ سے

[6] اس کی طرف توجہ نہ ہونا ؛ [7] لغزش ؛

ہے کہ بلا ضرورت ان زلات[1] کو گاتا پھرے اور جو شخص مقام تحقیق[2] احکام شرعیہ میں ان زلات کا ذکر کرے در باب[3] احکام کے ان کا حجت نہ ہونا بیان کرے یہ ہرگز بے ادبی نہیں، بلکہ عین[4] ادائے مامور بہ ہے اور یہ امر دریافت طلب کہ وہ کونسے واقعات تھے اس کی تحقیق اوپر ہو چکی ہے. اور وہاں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ایسے مفاسد دقیقہ[5] عوام کا خواص سے مخفی رہنا شب و روز مشاہد میں آرہا ہے. اور ایک شہادت تحریری یا تقریری بھی اس کے خلاف[6] پر قائم نہیں، البتہ اس کی موافقت میں بے شمار شہادتیں ہیں.

شبہ سوم کا جواب بھی مضامین مذکورہ بالا میں نظر کرنے سے صاف ظاہر ہے یعنی اوپر ظاہر ہو چکا ہے کہ مفسدہ دو ہیں تفسیر مشروع[7] اور ایہام جاہل[8] سو ایک عالم کے عقائد میں ایسا فساد کہ تغیر مشروع کی نوبت آوے اگر مستبعد[9] بھی ہو، مگر ایہام جاہل یعنی ان کے عمل سے عوام مبتلاء فساد ہو جائیں ہرگز مستبعد نہیں اور چونکہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے تک نہ ان صاحبوں کو ان اعمال کا مستقل[10] اہتمام کا موقع ملا نہ وہاں کی حاضری میں مقتدا[11] ہونے کا خاص

---

[1] لغزشوں کو

[2] شرعی احکام کی تحقیق کے مقام میں.

[3] احکام کے بارہ میں ان کی دلیل کا نہ بننا،

[4] بعینہٖ حکم کی ادائیگی، [5] باریک

[6] کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا.

[7] شرعی حکم کو بدلنا غیر واجب کو واجب بنا لینا. غیر ثواب کو ثواب کہنا.

[8] ناواقف کو واجب و سنت کے خیال میں مبتلا کرنا.

[9] بعید [10] کہ حضرت کے ہی تابع رہے ؛

[11] کہ وہاں تو مقتدی و پیرو تھے ؛

موقع ملا، البتہ ہندوستان میں پہنچ کر ان کی شان ظاہر ہوئی۔ ان اعمال کا اہتمام بھی کیا۔ معتقدین کا ہجوم بھی ہوا۔ ابہام کی نوبت بھی آئی تو اس ابہام کا زمانہ حاضری میں مشاہدہ[1] کب ہوسکتا تھا۔ پھر مخفی رہنے میں کوئی استبعاد نہیں۔ اب شبہ تمثیل[2] منافقان و عطلے خلافت سب زائل ہو گیا اور یہ سوال کہ نور باطن سے حضرت کو کیوں نہ معلوم ہو گیا، یا کیوں نہ معلوم کر لیا، اس کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کو کشف کیوں نہ ہوا یا آپ نے قوت کشفیہ کو کیوں نہ استعمال کیا، سو جو لوگ اس فن سے واقف ہیں ان کے نزدیک اس کا جواب یہ ہی ہے کہ کشف امر[3] اختیاری نہیں نہ امر دائمی ہے اس لئے یہ سوال ضعیف ہے اس پر جو تفریعات کی ہیں وہ بھی اسی طرح[4] مدفوع ہیں۔ اب آخر میں یہ عرض ہے کہ اگر کوئی نیا شبہ ہو تو تحریر آگے فرمانے کا مضائقہ نہیں اور اگر مثل خط دوم کے پہلے ہی شبہات کا اعادہ اور ان کے جوابوں کی توضیح کا لکھنا مدنظر ہو تو اس تطویل سے بہتر ہو گا اگر خود تشریف لاکر فیصلہ فرما لیں۔ کیونکہ تحریر میں بہت سے امور مفصّل و مشرح ہونے سے رہ جاتے ہیں اور غیر ضروری امر میں وقت صرف کرنا دریغ[5] و شاق معلوم ہوتا ہے،

والسلام

(تمام شد)

---

[1] کہ ان کے فعل سے کوئی دلیل لے کر بچ جاتا۔

[2] منافقوں کے مثل قرار دینے کا شبہ کہ حضرت کے سامنے اور کچھ ظاہر کرتے، الگ اور کچھ تو وہاں الگ کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔

[3] چنانچہ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کا کنعان میں ہونا حضورؐ کو قصہ تہمت میں واقعہ منکشف نہ ہوا

[4] کہ جو نتیجے بناتے تھے سب دفع ہو گئے۔

[5] قابل افسوس ہے